ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السبحان

کا

پارہ نمبر ۱۰

وَاعْلَمُوْٓا

فاضلِ اجل مفسّرِ قرآن حضرت العلامہ مولانا سیّد عبد الدائم جلالی

پبلشر

toobaafoundation.com

پوسٹ بکس ۱۲۰۶، سوئیوالان ۵۶۵ انئی دہلی ۲

دسواں پارہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جانے رہو کہ جو کچھ تم لوٹ کر لاؤ اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اس کے رسول کا

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ

قرابت داروں کا یتیموں کا محتاجوں کا اور مسافروں کا ہے اگر تم کو

اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰي عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى

اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین ہو جو فیصلہ کے دن ہم نے اپنے بندے پر نازل کی تھی جبکہ دونوں جماعتیں

الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

گتھ گئی تھیں اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تفسیر اوپر کی آیت میں حربی کافروں سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا اور جنگ کے بعد بصورتِ فتح مالِ غنیمت ہاتھ آنا بھی لازم تھا۔ لہٰذا اُن آیات میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا طریقہ بیان فرمادیا کہ کفار سے چھین کر جو مال ہاتھ آئے اس کے پانچ حصے کرو۔ ایک حصہ اللہ، اس کے رسول، رسول کے قرابتدار، یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کے درمیان مشترک ہے۔ یعنی ایک حصے کے پانچ حصے کئے جائیں اور اس کا ۱/۵ یعنی کل مال کا پچیسواں حصہ رسول کا ہے اور اسی طرح ۱/۵ رسول کے قرابتداروں کا ۱/۵ یتیموں کا اور ۱/۵ مسکینوں کا اور ۱/۵ مسافروں کا۔ رہ گئے کُل مال کے چار حصے یعنی ۲۰/۲۵ توان کا کوئی حکم نہیں بیان کیا۔

تحلیل اجزاء اور چند اختلافی مسائل

بحث مذکورہ بہت اختلافی ہے۔ ہم تفسیر ابن کثیر ابن جریر اور حقانی کا اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔

اکثر علماء کے نزدیک غنیمت اور فیٔ ایک ہی چیز ہے۔ یعنی وہ مال جو غلبہ سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ لیکن بعض اہلِ علم کے نزدیک دونوں میں اصطلاحی فرق ہے اگرچہ لغوی اتحاد ہے یعنی غنیمت وہ مال ہے جو بصورتِ جنگ کفار سے ہاتھ آئے اور فیٔ وہ مال ہے جو بغیر جنگ و جدل کے کفار سے مل جائے مثلاً مال جزیہ ہو یا کفار سے محصول وصول کیا جائے یا اُن کا لاوارث مال رہ جائے وغیرہ۔

مالِ غنیمت کی تقسیم بشرطیکہ وہ اسباب منقولہ ہو اس طرح کی جائے کہ کل مال کے پانچ حصے کرکے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول اور رسول کے قرابت داروں اور فقیروں اور یتیموں اور مسافروں کو دے دیا جائے۔ یعنی اس پانچویں حصے کے پانچ حصے کئے جائیں۔ یہ قول جمہور کا ہے اور آیت کے مطابق ہے۔ مگر ابو العالیہ کے نزدیک کل مال کے پانچویں حصے کے چھ حصے کئے جائیں گے۔ پانچ حصے تو مذکورہ بالا پانچ قسم کے شرکاء کو دیئے جائیں گے اور چھٹا حصہ اللہ کے نام کا ہوگا۔ جو خانۂ کعبہ کی تعمیر و ترمیم میں صرف ہوگا۔ ابو العالیہ اپنے قول کے ثبوت میں ایک تو لِلّٰہ کے لفظ کو پیش کرتے ہیں جو آیت میں مذکور ہے۔ دوسرے ایک مرسل حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت میں سے لپ بھر کر خانۂ کعبہ کے صرف کے لئے رکھ

toobaafoundation.com

دیتے۔ اس صورت میں اللہ کا حصہ اور حصوں کے برابر ہونا ضروری نہ ہوگا لیکن صحیح وہی ہے جو جمہور کا قول ہے اور اللہ کا نام صرف تبرک کے طور پر ہے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو مالِ غنیمت آتا رسولِ پاک اس کے پانچ حصے کرتے اور پھر پانچویں حصہ کے پانچ حصے کرتے۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے آیت واعلموا الخ پڑھی اور فرمایا اللہ کا تو سب آسمان و زمین ہی ہے۔ پس اللہ اور اس کے رسول کا حصہ ایک ہی ہے۔ حسن بصری، ابراہیم نخعی اور شعبی وغیرہ علماء کا بھی یہی قول ہے۔ نیز خیبر کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت حضورؐ نے فرمایا۔ لوگو! میرے لئے تو ان میں سے خمس ہے۔ سو وہ بھی تمہیں لوگوں کو لوٹا دیا جاتا ہے۔ رواہ احمد عن عبادۃ بن الصامت وابی الدرداء والحارث بن ابی معاویۃ الکندی ورواہ ابوداؤد والنسائی۔ رہا تعمیر کعبہ کا صرف تو وہ امام اور عام مسلمانوں کے ذمہ ہے خواہ مالِ غنیمت حاصل ہو یا نہ ہو۔

حضورؐ کا حصہ آپ کے خانہ داری کے مصارف میں صرف ہوتا تھا اور اقارب کے حصہ کو آپ اپنے اقرباء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے اقارب میں کون لوگ داخل تھے؟ اس میں علمائے تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض نے سب قریش کو لیا۔ مجاہد، علی بن حسین نے بنی ہاشم کو خاص کیا ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک بنی ہاشم اور اولاد عبدالمطلب مراد ہیں نہ کہ بنی نوفل اور بنی عبد شمس۔ کیونکہ جبیر بن مطعمؓ اور عثمان بن عفانؓ نے حضورؐ سے سوال کیا تھا کہ آپ نے بنی المطلب کو دیا۔ حالانکہ ہم اور وہ آپ سے قرابت میں مساوی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا وہ اور بنی ہاشم ایک ہی ہیں۔ یعنی زمانۂ جاہلیت میں بنی ہاشم کی طرح انھوں نے اسلام کی مدد کی تھی۔

فقراء مساکین اور یتامیٰ میں جمہور کے نزدیک حضورؐ کے قرابتداروں اور غیر قرابتداروں کی کوئی قید نہیں کوئی بھی ہو۔ لیکن علی بن حسین فرماتے ہیں کہ ان میں بھی قرابتدار ہونا ضروری ہے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد اس خمس کی تقسیم کے متعلق علماء کے دو قول ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ بلکہ عام جمہور کے نزدیک حضورؐ کا حصہ اسلام کے مصارف اور اس کی ضرورتوں میں صرف ہوگا۔ کیونکہ وفات کے بعد حضورؐ کو کوئی ضرورت باقی نہیں رہی۔ چنانچہ اعمش نے ابراہیم کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ حضورؐ کا حصہ ہتھیاروں اور اسباب جہاد کی خریداری میں صرف کیا کرتے تھے۔ (معالم) بلکہ حضورؐ اپنی زندگی میں اپنے مصارف ضروریہ سے بچا ہوا مال ہتھیاروں اور سواریوں کی خریداری میں خرچ کرتے تھے۔

بعض کا قول ہے کہ حضورؐ کا حصہ آپ کے اقارب اور یتامیٰ اور مساکین اور مسافروں کو تقسیم ہوگا۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضورؐ کے اقارب کا حصہ باقی رہا یا ساقط ہو گیا۔ شافعیؒ اور مالکؒ کہتے ہیں کہ بعد میں اقارب کو ضرور ملے گا۔ مرد کو دوگنا عورت کو اکہرا۔ امام ابوحنیفہؒ اور دیگر علماء کہتے ہیں کہ اقارب کی خبرگیری نبی انسان کے ذاتی حوائج میں داخل ہے۔ جب وفات کے بعد حضور اقدسؐ ذاتی حوائج بشریہ سے مبرا ہو گئے تو یہ حقوق بھی ساقط ہو گئے۔ پس ان میں سے غرباء اور یتامیٰ کی پرورش بیت المال کے ذمہ ہے۔ اس تقدیر پر وہ خمس اس زمانہ میں صرف تین گروہوں کو تقسیم ہوگا مساکین، یتامیٰ اور مسافر رہے کل مالِ غنیمت کے بقیہ چار حصے وہ مجاہدین کو تقسیم کئے جائیں گے۔ عبداللہ بن شقیق کی روایت ہے کہ چار حصے اہلِ لشکر کے لئے قرار دیئے (بیہقی) ابن المنذر ابن عبدالبر داؤدی مازری قاضی عیاض اور ابن عربی نے اس پر اجماع ہونے کا قول نقل کیا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غازیوں کو اس کی تقسیم اس طور پر ہوگی کہ سوار کا دوگنا اور پیدل کا اکہرا۔ دیگر علماء نے سوار کے تین حصے قائم کئے ہیں۔ دو حصے کے ایک اس کے گھوڑے کا اور پیدل کا ایک تو حصہ مقرر ہی ہے۔

امام مالکؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک بقیہ چار حصے غازیوں کو تقسیم نہ کئے جائیں گے بلکہ امام کو اختیار ہے کہ جس حاجت اور ضرورت میں مناسب سمجھے صرف کرے کیونکہ ابو عبیدہ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے مکہ بزورِ شمشیر فتح کیا تھا اور کفار کا مال مجاہدین کو نہیں دیا بلکہ مکہ والوں کو ہی واپس کر دیا۔ اس کے علاوہ جنگِ حنین میں جو مال ہاتھ آیا اس میں سے انصار کو (چوارحصہ) نہ دیا اور انصار نے شکایت کرنے کا مشورہ کیا تو فرمایا کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ دنیا ساتھ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ رسولِ خدا کو اپنے گھر لے جاؤ۔ نیز خلفائے اربعہؓ نے حضورؐ کے بعد ایسا ہی کیا کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو امام کے پاس کوئی ذخیرہ کافی جمع نہ ہو جس کو بوقت ضرورت امورِ اسلامیہ میں صرف کر سکے۔ نیز ایسی صورت میں حکومتِ اسلامیہ کا ضعف ہو جائے گا۔ رہا آنحضرتؐ کا عمل تو وہ مخصوصات میں سے ہے۔ بعض مواقع پر ضرورت سمجھ کر حضورؐ نے مجاہدین کو تقسیم کر دیا تھا کیونکہ ہم کہہ

toobaafoundation.com

چکے ہیں کہ امام کو مالِ غنیمت کا اختیارِ کامل حاصل ہے۔ وہ جس کو مناسب سمجھے دے۔ حضورؐ کو اس وقت مجاہدین کو تقسیم کردینا ہی مناسب معلوم ہوا اس لئے تقسیم کردیا لیکن اس سے لزومِ تقسیم لازم نہیں آتا۔ یہ تو مالِ غنیمت کا حکم تھا۔ رہا مالِ فیٔ کا حکم تو اس کا اختیار جمہور کے نزدیک امام کو بہر حال ہے جو چاہے کرے۔

یَوْمَ الْفُرْقَانِ اور یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ سے مراد یوم بدر ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مسلمانو تم مالِ غنیمت کی تقسیم میں کچھ پس و پیش نہ کرو یہ اللہ نے جو اس کی تقسیم کا قاعدہ مقرر کیا ہے اسی کے مطابق تقسیم کرو۔ اگر ان چیزوں پر تمہارا ایمان و یقین ہے جو ہم نے بدر کے دن نازل کی تھیں تو کچھ تردّد نہ کرو۔ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ ہر طرح تمہاری مدد کرے گا اور کر سکتا ہے۔ مالِ غنیمت کی تقسیم سے کیوں اندیشہ کرتے ہو اللہ نے بدر کے دن مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو نازل کیا تو وہ بہر حال اہلِ حق کی ہر طرح سے امداد کر سکتا ہے۔

مقصودِ بیان

مالِ غنیمت کی تقسیم کے طریقہ کا اظہار اس بات کی طرف واضح اشارات کی فتح و نصرت سے مسلمانوں کا مقصد ملک گیری تسلط اور دولت مندی نہ ہونا چاہیئے بلکہ اصل مطمح نظر مسافروں، غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کی امداد کرنی ہونا چاہیئے مالِ غنیمت سے بحصّۂ مقررہ ان ہر سہ طبقات کی خبر گیری اور پرورش لازم ہے۔ آیت سے بظاہر ثابت ہوتا ہے کہ سپہ سالار یا بادشاہ وقت کا کچھ حصّہ زائد ہے کیونکہ کل مال کا پچیسواں حصّہ ملنے کی حضور کے متعلق صراحت آیات میں موجود ہے اور بقیہ مال تمام غرباء، فقراء، مساکین، مسافر اور اہل جہاد خواہ ہزاروں لاکھوں ہوں سب شریک ہیں اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سپہ سالار کا حصّہ یقیناً زائد ہوگا۔ مگر یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے حصّہ میں سے بیسیوں قسم کے مصارف تھے۔ فقط اپنی یا اپنے متعلقین کی شکم پُری ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کو صرف نہ کرتے تھے بلکہ اس سے سامانِ جنگ، گھوڑے، زرہ وغیرہ خریدتے تھے اور اپنے متعلقین کے علاوہ دیگر ضرورت مندوں اور ناداروں کی پرورش بھی کرتے تھے۔ اگر حساب لگایا جائے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حصہ میں مالِ غنیمت میں سے ایک سپاہی کی برابر بھی مال نہ آتا تھا۔ مگر ہاں تصرف کا اختیار ضرور تھا۔ باقی فوج والے اپنا اپنا مال بحصّۂ رسدی لے کر اپنے گھروں کو چل دیتے تھے اور اس سے اپنی ہر قسم کی ضروریات کی کفالت کرتے تھے۔ اُن کو اسبابِ جنگ وغیرہ کی خریداری سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اپنے اور متعلقین کی ضروریات میں خرچ کرتے تھے۔ وغیرہ

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ

اُس وقت تم ورلے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے پر تھے اور قافلہ تم

أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ

سے نیچے کی طرف تھا اور اگر تم باہم وعدہ کرتے تو ضرور وعدہ میں دیر سویر کرتے لیکن اللہ نے تم سب کو یکجا

اللّٰهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ

کر دیا) تاکہ جس کام کو کرنا تھا اُس کو پورا کر دے اور جو انکشاف دلیل کے بعد مرتا ہے مر جائے اور جو انکشافِ دلیل کے

حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ۙ

بعد زندہ رہتا ہے رہے اور اللہ ضرور سنتا جانتا ہے

toobaafoundation.com

تفسیر اوپر کی آیت میں جنگِ بدر پر ایمان لانے کا تذکرہ تھا اسی سلسلہ کا ایک واقعہ اور جنگِ بدر کے اتفاقیہ پیش آنے کی مصلحت ظاہر فرماتا ہے۔ یعنی جنگ بدر صرف اتفاقیہ بات تھی۔ ادھر سے مسلمان قافلہ لوٹنے کے لئے چلے ادھر سے ابوجہل اور سرداران قریش اپنی جمعیت کو لے کر قافلہ کی حمایت کو نکلے۔ قافلہ تین میل کترا کر ساحلی نشیبی حصّہ میں ہو کر نکل گیا اور مسلمانوں و کافروں کا مقابلہ ہو گیا۔ نہ مسلمانوں کا ارادہ گھر سے نکلنے کے وقت جنگ کا تھا نہ کفار کی لڑائی ٹھان کر نکلے تھے۔ اس اتفاقیہ مقابلے میں مسلمانوں کو کامیابی ہوئی۔ یہ تدبیر اللہ کی تھی۔ اگر قصداً باہم ٹھیراؤ کر کے نکلتے اور دن مقرر کر کے چلتے تو ایسے بروقت نہ پہنچتے اور اگر یہ لڑائی نہ ہوتی تو ہر فریق اپنے زعم میں اپنے کو غالب سمجھتا ہے لیکن جنگ کے بعد سب نے دیکھ لیا کہ غالب کون رہا اور مغلوب کون۔ اللہ نے کس کی مدد کی۔ اس سے پیغمبر کی صداقت بھی کھل گئی اور اللہ کا الزام بھی پورا ہو گیا۔ جو مرا وہ بھی حق کو پہچان کر مرا اور جو بچا وہ بھی حق کو پہچان کر بچا۔ یعنی تجربہ کے بعد حقانیت اس پر واضح ہو گئی۔ اپنی مغلوبیت کا احساس و اقرار ہر کافر کو ہو گیا۔

مقصودِ بیان اللہ کی حکمتِ بالغہ کا اظہار، جنگِ بدر کا اتفاقیہ پیش آجانے کی مصلحت کا بیان۔

اس بات کی طرف اشارہ کہ آدمی حق پر ہو یا باطل پر بہر حال بقدرِ امکان لڑائی سے جی چُراتا ہے۔ مسلمان اگرچہ حق پر تھے لیکن اگر جنگ کا پہلے سے ٹھہراؤ کر لیتے تو وعدے پر نہ پہنچتے۔ جنگِ بدر کے نتیجہ سے حقانیتِ اسلام واضح اور صداقتِ رسول ثابت ہو گئی۔ وغیرہ

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ

(اے محمدؐ) جبکہ اللہ نے کافروں کی تعداد تم کو خواب میں دکھائی تھی اور اگر اُن کی تعداد تم کو زیادہ دکھاتا تو تم ڈھیلے پڑ جاتے

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ○

اور بات میں جھگڑا ڈالتے مگر اللہ نے بچا لیا بیشک وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ

اور جب مٹھ بھیڑ کے وقت کافروں کی تعداد تمہاری آنکھوں میں کم دکھائی اور تمہاری تعداد اُن کی آنکھوں میں کم دکھائی

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ○ ع

تاکہ جس کام کو وہ کرنا چاہتا ہے اُس کو پورا کر دے اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں

تفسیر یہ بھی جنگِ بدر ہی کا ایک قصہ ہے۔ جس کی تین شاخیں ہیں۔ (۱) لڑائی سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں نظر آیا کہ کافر تھوڑے ہیں۔ آپ نے اس کی اطلاع صحابہ کو دی۔ صحابہ کے دلوں میں حضورؐ کے خواب سے مقابلہ کی مزید جراٗت پیدا ہو گئی (۲) پھر جب کافروں اور مسلمانوں کی صفیں ایک دوسرے کے سامنے آ کر پڑیں اس وقت بھی اللہ نے مسلمانوں کی نظروں میں کافروں کی تعداد قلیل کر کے دکھائی یعنی رسول پاکؐ کی خواب کے مطابق مسلمانوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیا کہ کافروں کی تعداد ہم سے بہت کم ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود نے اپنے ایک ساتھی سے کہا تھا کہ میرے خیال میں کافر ستر ہوں گے۔ اس نے جواب دیا (نہیں) کوئی سَو ہیں۔ اس کے بعد جب ایک قیدی گرفتار ہو کر آیا اور اس سے کافروں کی تعداد پوچھی تو اس نے ہزار بتائی (ابن جریر) اس سے مسلمانوں کی جراٗت اور بھی بڑھ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اُن کو سچ ثابت ہو گیا اور واقع میں بھی سچ تھا۔ کیونکہ جتنے لوگ قریش کی طرف سے میدانِ جنگ میں آئے تھے ان میں سے اکثر کچھ زمانہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ گویا مآلِ کار میں کافر رہنے والے لوگ کم ہی تھے۔ (۳) مقابلہ کے وقت کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد کم نظر آئی۔ چنانچہ بروایت سدی بعض مشرکین نے کہا تھا کہ قافلہ تو سلامت نِکل

toobaafoundation.com

آیا اب تم لوگ واپس جاؤ۔ اسی بنا پر اخنس بن شریق بنی زہرہ کو واپس لے گیا اور بنی عدی بھی لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔ لیکن ابوجہل نے ہٹ کی اور کھینچ کر سب کو لے آیا اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر بولا محمد اور اس کے ساتھی آج تمہارے مقابلہ میں آئے ہیں ہم جب تک ان کا فیصلہ نہ کردیں گے واپس نہ جائیں گے۔ وہ چند آدمی ہیں ان کو قتل تو کیا کرو گے پکڑ پکڑ کر باندھ لو۔ اگر کافروں کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد بہت دکھائی دیتی تو وہ بھاگ جاتے مقابلہ نہ ہوتا۔ کفر کی جڑ نہ کٹتی۔ اسلام کا غلبہ نہ دکھائی دیتا یا اگر مسلمانوں کی نظر میں کافروں کی تعداد زیادہ دکھائی دیتی تو مسلمانوں کو بظاہر مقابلہ کے وقت اتنی جرأت نہ ہو سکنے کا امکان تھا اور شاید رسول اللہ ؐ کے خواب کی صداقت کا مسلمانوں کو محسوس طور پر یقین نہ ہوتا اور ان کی ہمتیں کمزور پڑ جاتیں لیکن خدا کو تو ایک کام کا فیصلہ کرنا تھا۔ اسلام کا نمایاں غلبہ اور کفر کا کمزور کرنا مقصود تھا اور ہمیشہ کے لئے اسلام کی جڑ بنیاد قائم کرنی تھی اس لئے یہ تدبیر فرمائی۔ ممکن ہے کوئی بے وقوف کہہ دے کہ کثیر تعداد کی نظری تقلیل کیونکر ممکن ہے؟ تو اس کا جواب دے دیا کہ ہر چیز کا رجوع خدا کی طرف ہے۔ آنکھ بھی اس وقت اپنا کام کرتی ہے جب خدا کا حکم ہوتا ہے۔ یہ ظاہری سبب ہے اور خدا مسبب ہے۔ سبب میں تاثیر بغیر قدرت مسبب کے ہو نہیں سکتی۔ پھر اگر آنکھوں کو کثرت بصورتِ قلت نظر آئی تو کیا بعید ہے۔ یہ چشمِ ظاہر بیں کی غلطی ہے۔ مگر حقیقت میں آنکھ اس کو ہرگز غلط نہیں کہہ سکتی باعتبار دلوں کا اور ان کی جرأت کا ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو کافروں کے دلوں میں جرأت نظر نہیں آتی ہے اس لئے وہ ان کو کم ہی سمجھتے تھے اگرچہ واقع میں کفار زیادہ تھے۔

ایک شبہ اور اُس کا جواب

سورۂ آلِ عمران میں فرمایا ہے۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُم مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر لوگ مسلمانوں کو اپنے سے دوچند یا کم از کم مومنوں کی اصلی تعداد سے دوچند دیکھ رہے تھے اور یہاں آیت میں بتایا ہے کہ کفار کی نظر میں مسلمانوں کی تعداد کم نظر آرہی تھی۔

جواب یہ ہے کہ تقلیل نظری اُس وقت تھی جب دونوں فریق میدانِ جنگ میں آکر ایک دوسرے کے مقابل صف بستہ ہوگئے تھے اور لڑائی شروع ہوگئی اور اللہ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے ملائکہ بھیج دیا جن کو بصورتِ انسان کفار اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے تو کافروں کو مسلمانوں کی تعداد دوچند نظر آنے لگی یعنی اپنی فوج سے وہ مسلمانوں کو دوگنا سمجھنے لگے اور اس وجہ سے ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رُعب چھا گیا۔ باقی مسلمانوں کو کافروں کی تعداد بدستور کم ہی نظر آتی رہی اور اُن کے دل میں وہی ابتدائی جرأت قائم رہی۔ کسی وقت رعب نہ پیدا ہوا۔

مقصودِ بیان

اس امر کی طرف واضح اشارات کہ اللہ کی تدبیر بہت مخفی ہوتی ہے۔ شروع میں فریقین کی تقلیلِ نظری سے اُس نے مٹھ بھیڑ کرائی۔ پھر کافروں پر مسلمانوں کا رُعب ڈالا۔ مسلمانوں کو مزید جرأت دلائی اور بالآخر کافروں کو تباہ اور مسلمانوں کو کامیاب کیا۔ آیات میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب چاہے حواس کو معطل کردے۔ کوئی شخص اپنے حواس پر حقیقی اختیار نہیں رکھتا بلکہ حواس کے فعل کی تکمیل قبضۂ الٰہی میں ہے۔ دیکھنے کی سب شرطیں موجود ہونے کے باوجود دکھلائی نہ دینا قدرتِ الٰہی کا واضح ثبوت ہے۔ وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ

مسلمانو! جب تم کسی فوج کے مقابل ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو خوب یاد کرو تاکہ تم کو

تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ

کامیابی حاصل ہو اور اللہ رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ ہمت ہار جاؤ گے اور تمہاری ہوا

رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

جاتی رہے گی اور جمے رہو خدا تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

toobaafoundation.com

تفسیر اِن آیات میں خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو کامیابی اور فتح کے چند اسباب بتائے ہیں۔ ان میں سے کچھ باطنی ہیں کچھ ظاہری کچھ روحانی کچھ مادی۔ (۱) جب کفار کے لشکر سے مٹ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم یا ثابت القلب رہو۔ صحیحین میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت ہے بعض لڑائیوں میں جب دشمن سے مقابلہ ہوا تو حضورؐ منتظر رہے۔ جب آفتاب ڈھل گیا تو فرمایا لوگو دشمن سے بھڑنے کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا مانگو لیکن جب تم اُن سے بھڑ جاؤ تو صبر (ثباتِ قلب) کے ساتھ ثابت قدم رہو اور جان رکھو کہ جنت انہی تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ الی آخر الحدیث۔

(۲) اللہ کی بکثرت یاد کرو یعنی اس سے فتح کی دعا مانگو۔ زید بن ارقم کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ کو تین جگہ پر خاموشی پسند ہے۔ ایک تلاوتِ قرآن کے وقت، دوسرے جہاد میں صفیں سُلجھانے کے وقت، تیسرے جنازے کے ساتھ (رواہ الطبرانی) ایک اور مرفوع حدیث میں ہے کہ اللہ فرماتا ہے میرا کامل بندہ وہ ہے جو جہاد میں بھڑ جانے کے وقت مجھے یاد کرے یعنی مجھ سے دعا و استغاثہ کرے۔ قتادہ و عطاء کہتے ہیں کہ لڑائی کے وقت خاموشی واجب ہے۔ لیکن ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سے پوچھا کیا بلند آواز سے اللہ کو یاد کریں۔ فرمایا ہاں۔ اسی بنا پر بعض مفسرین نے یاد کرنے سے مراد نعرۂ تکبیر لیا ہے۔ کامیابی کا یہ روحانی سبب ہے اس سے دل میں قوت، حوصلہ میں جرأت اور طبیعت میں جوش و ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

(۳) اللہ اور اس کے رسول کے احکام کی تکمیل کرو۔ یہ فتح یابی کا ظاہری سبب بھی ہے اور باطنی بھی۔ رسول پاکؐ کی تعلیم اور اصول مادی کے اعتبار سے بھی مفید ہیں اور روحانی لحاظ سے بھی۔

(۴) آپس میں جھگڑا فساد اور پھوٹ نہ کرو۔ ورنہ بزدل بن جاؤگے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔ قوت و شوکت زائل ہو جائے گی۔ یہ جنگ میں فتحیابی بلکہ ہر کام کی تکمیل کا بہترین ذریعہ ہے۔ جس لشکر میں اختلافِ آراء، باہم عناد اور پھوٹ ہو اس کو کسی طرح فتحیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس قوم میں باہم مخالفت ہو اس کو کبھی قوت و شوکت نہیں مل سکتی، نہ اس کا کبھی مقصد پورا ہو سکتا ہے۔

(۵) لڑائی میں صبر رکھو، مصائب برداشت کرو۔ بھوک، پیاس، جفاکشی اور محنت غرض ہر قسم کی تکلیف میں صابر رہو۔ نہ دشمن کی قوت کو دیکھ کر بھاگو، نہ مالی لالچ میں آکر لوٹ جاؤ، نہ بھوک، پیاس اور جفاکشی سے جی چراؤ۔ کیونکہ اللہ کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اہلِ صبر کی وہی حمایت کرتا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں۔ صحابہ کو خدا اور رسول کی تعلیم پر چلنے کی وجہ سے جو شرف حاصل ہوا وہ کسی اور کو حاصل ہونا ناممکن ہے۔ اسی وجہ سے انھوں نے روم، فارس، ترک، صقلابی، بربر، حبش، سوڈان اور مصر کو تھوڑی مدت میں باوجود اپنی قلت کے مسخر و مقہور کر لیا۔ یہاں تک کہ اللہ کا بول بالا ہو گیا۔ اس کا دین مشرق و مغرب میں پھیل گیا اور ظلم مٹ کر عدل و انصاف دنیا میں قائم ہو گیا۔

مقصودِ بیان کامیابی اور نصرت کے اصول کی تعلیم۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ کامیابی کے لئے جہاں تعاون، اتحاد، صبر، استقلال، استقامت کی ضرورت ہے وہاں تعمیل احکامِ خدا فرمانبرداری رسول اللہ سے دعا کرنا بھی لازم ہے۔ ذاتی صبر، قومی تعاون، قلبی استقلال بغیر اعلوا الٰہی اور بلا تعمیل حکم رسول کے باعث فتح نہیں ہو سکتا۔ گویا مسلمان کے لئے دونوں باتوں کی ضرورت ہے۔ ظاہری اسباب کی فراہمی بھی ہونی چاہیے۔ اور باطنی لَو بھی خدا سے لگائے رکھنی لازم ہے وغیرہ

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں سے اِترانے اور لوگوں کے دکھانے کے لئے نکلے اور راہِ خدا

عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝

سے روکتے تھے اور ان کے تمام اعمال اللہ کے احاطۂ قدرت میں ہیں

toobaafoundation.com

تفسیر

ابن عباسؓ، مجاہد، قتادہ، سدی اور ضحاک وغیرہ کے نزدیک الَّذِيْنَ خَرَجُوْا سے قریش مراد ہیں جو رسول اللہ سے لڑنے کے لئے بدر میں آئے تھے۔ یہ لوگ اگرچہ شروع میں قافلہ کو بچانے کے لئے نکلے تھے لیکن قافلہ کے صحیح سلامت نکل جانے کے بعد بھی غرور اور تکبر سے چونکہ مسلمانوں کے مقابلہ پر بدر میں آئے تو گویا شیخی اور ریاکاری کے لئے ہی وطن سے نکلے کیونکہ قافلہ کے سالم نکل جانے کے بعد مسلمانوں کے مقابلے پر جانے کے واسطے ان کو سوائے شیخی، غرور، جرأت وغیرہ کے کوئی سبب باقی ہی نہیں رہا تھا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کے رُخ پر سیدھے چلے گئے۔ یہاں تک کہ جب مقام صفراء پر پہنچے تو لبسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو ابوسفیان کی خبر لینے کے لئے بھیجا۔ ہر دو صاحبان بدر پہنچے وہاں اُتر کر تالاب سے مشک بھری۔ وہاں دو باندیاں باہم جھگڑا کر رہی تھیں اور مجدی بن عمرو دونوں کا فیصلہ کر رہا تھا۔ واپس آکر حضورؐ کو اس کی اطلاع دے دی۔ ادھر ابوسفیان نے مجدی بن عمرو سے پوچھا کہ تالاب پر کسی اجنبی کو بھی کو تو تو نے نہیں دیکھا؟ مجدی نے کہا واللہ کوئی بھی نہ تھا ہاں دو مسافر پانی بھرنے اُترے تھے۔ ابوسفیان نے بدر پر آکر اونٹوں کی مینگنیاں توڑ کر شناخت کی اور بولا واللہ ان میں تو مدینہ کی گٹھلیاں اور وہاں کی گھاس معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد جلد جا کر قافلہ کو ساحلی سمت کی طرف تین میل نشیب میں لے گیا اور قریش کو کہلا بھیجا کہ تمہارا قافلہ صحیح سلامت نکل آیا۔ اب تم واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ اخنس بن شریق بنی زہرہ کو لے کر واپس چلا گیا۔ بنی عدی بھی لوٹ گئے۔ لیکن ابوجہل نے ہٹ کی اور بولا واللہ ہم تو بدر پر جا کر اُتریں گے وہاں تین روز ٹھہریں گے، اونٹوں کو ذبح کریں گے، کباب شراب اُڑائیں گے ناچ دیکھیں گے، گانا سُنیں گے تاکہ تمام عرب میں ہماری خبر مشہور ہو اور تمام لوگوں پر ہماری ہیبت چھا جائے۔ دوسری جانب رسول اللہؐ نے بدر کے قریب پہنچ کر علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ اور زبیر بن عوامؓ کو چند آدمیوں کی معیت میں خبر لینے کے لئے بھیجا۔ یہ صاحبان سعید بن عاص اور حجاج کے چند غلاموں کو پکڑ کر لے آئے۔ حضور والا صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ صحابہ نے اُن سے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم قریش کے غلام ہیں پانی لینے آئے تھے۔ صحابہ نے ان کے قول کو غلط جان کر مارنا شروع کیا۔ مجبوراً انھوں نے کہا ہم ابوسفیان کے قافلہ کے ہیں۔ صحابہ نے اُن کو مارنا چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے سلام پھیر کر فرمایا۔ جب انھوں نے سچ کہا تو تم نے مارا۔ جب جھوٹ بولے تو تم نے مارنا چھوڑ دیا۔ واللہ وہ قریش کے ساتھ ہیں۔ تم قریش کی خبر بتاؤ۔ حضرت علیؓ وغیرہ نے عرض کیا وہ سامنے والے ٹیلے کی پرلی طرف ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی تعداد اور ان کے سرداروں کی تفصیل دریافت فرمائی۔ جب سب کچھ معلوم ہو گیا تو فرمایا لوگو! مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے تمہاری طرف پھینک دیئے ہیں۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ صبح کو قریش آگے بڑھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹیلہ کے پیچھے سے ان کو آتے دیکھا تو دعا مانگی۔ اے میرے پروردگار! تو دیکھتا ہے کہ قریش اتراتے اکڑتے اور فخر و تکبر کرتے چلے آتے ہیں۔ تیرے رسول کی تکذیب کرتے اور اس سے لڑتے ہیں۔ پروردگار! تو کل کو ان کو ہلاک کر دے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو تم ان مغرور قریش کی طرح نہ بن جانا جو اتراتے فخر و غرور کرتے اور لوگوں کو دکھانے اُن پر اپنی بہادری جتلانے کے لئے نکلے۔ تم نہ اترانا۔ اپنے جتھے پر بھروسہ نہ کرنا بلکہ اللہ کی یاد اور اس کے رسول کے احکام کی تعمیل کرتے رہنا۔ بوقتِ جنگ اعلانِ حق کی نیت رکھنا اور اللہ تعالیٰ عزوجل پر بھروسہ کرنا۔

مقصود بیان

اترانے، شیخی مارنے اور غرور کرنے کی ممانعت، اعلانِ حق اور اظہارِ صداقت کی نیت رکھنے کی طرف اشارہ۔

اس بات کا ضمنی بیان کہ قریش کی نیت ایسی نہ تھی۔ وہ اظہارِ حق و صداقت کے لئے جنگ نہ کرتے تھے بلکہ لوگوں کو راہِ حق سے روکنے اور اپنی بہادری کی شہرت کرنے کے لئے جنگ کرتے تھے۔

آیت سے یہ امر بھی مستنبط ہوتا ہے کہ کارِ خیر میں ریاکاری کی نیت نہ ہونی چاہیئے اور نہ اترانا چاہیئے بلکہ ہر کام خدا ہی کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے ہونا چاہیئے۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ

اور جب شیطان نے ان کے اعمال اُن کو بھلے کر دکھائے اور بولا آج تم پر کوئی آدمی غالب نہیں

النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ

آسکتا اور میں تمہارا حمایتی ہوں لیکن جب دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو وہ اُلٹے پاؤں چلتا بنا

وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ

اور بولا میرا تم سے کوئی سروکار نہیں میں وہ بات دیکھ رہا ہوں جو تم کو نہیں دکھائی دیتی میں اللہ سے ڈرتا ہوں

وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ع

اور اللہ کی مار بڑی سخت ہے

تفسیر

علمائے تفسیر کے اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:-

(۱) آیت سے مراد مجازی معنی ہیں۔ یعنی شیطان نے قریش کے دلوں میں یہ وسوسہ اور خیال پیدا کیا تھا کہ آج تم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ تمہاری تعداد بہت، سازوسامان بکثرت ہے۔ تمہارے عقائد اور بت پرستی وغیرہ (اعمال شنیعہ) تم کو پناہ دینے والے ہیں۔ (بیضاوی)

(۲) آیت سے مراد حقیقی معنی ہیں۔ شیطان نے اُن سے واقعی یہ قول کہا تھا۔ بنی مدلج کے سردار کا نام سراقہ بن مالک بن جعشم تھا۔ شیطان سراقہ کی شکل پر ہو کر قریش کے پاس آیا تھا۔ اُس زمانہ میں قریش کی بنی بکر سے چشمک تھی۔ قریش کو ہر وقت بنی بکر کے حملہ کر دینے کا اندیشہ تھا اسی لئے بدر کو جانے اور مسلمانوں پر چڑھائی کرنے میں تردد کر رہے تھے۔ شیطان سراقہ کی شکل بن کر آیا اور کہنے لگا آج تم پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا میں اپنی جماعت سمیت تمہارے ساتھ ہوں۔ بنی بکر سے تم اندیشہ نہ کرو۔ میں ضامن ہوں وہ حملہ نہ کریں گے۔ جعلی سراقہ کی باتیں سُن کر قریش چل دیئے۔ سراقہ بھی ساتھ رہا۔ جب کافروں اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا اور ابلیس نے ملائکہ کو دیکھا تو اس کو اپنی جان کا اندیشہ ہوا۔ اُس وقت یہ ملعون حارث بن ہشام کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا ملائکہ کو دیکھتے ہی حارث کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ حارث نے ہر چند کہا کہ سراقہ ایسی حالت میں تو ہم کو چھوڑ کر کہاں جا رہا ہے۔ مگر اس نے ایک نہ مانی اور کہنے لگا کہ مجھے جو بات (ہزیمت) دکھائی دے رہی ہے وہ تم کو نہیں دکھائی دیتی۔ میں اللہ سے (یعنی اپنی جان سے) ڈرتا ہوں کہیں مارا نہ جاؤں۔ یہ کہہ کر حارث نے دھینگا مُشتی کر کے اُس کی چھاتی پر دھکا مار کے اپنے ساتھیوں سمیت نکل بھاگا۔ ابوجہل نے آگے بڑھ کر لوگوں کو آمادہ کیا اور بولا تم سراقہ کے بھاگ جانے سے بددل نہ ہو وہ درپردہ محمد سے ملا ہوا ہے۔ قسم ہے لات و عزّیٰ کی ہم لوگ واپس نہ ہوں گے جب تک ان کو باندھ کر نہ لے جائیں اور ان کو ان کی شرارت کا مزہ نہ چکھائیں۔ ان کو بہت قتل نہ کرنا بلکہ باندھ لینا۔ اُدھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ریت اور کنکریوں کی ایک مٹھی بھر کر کافروں کی طرف پھینکی اور کوئی کافر ایسا نہ بچا جس کی آنکھ میں اس کا کچھ حصہ نہ پڑا ہو۔ مجبور ہو کر آنکھیں ملنے لگے۔ مسلمانوں نے حملہ کیا۔ بہتوں کو قتل کیا اور بہتوں کو گرفتار کیا۔ کفار بھاگ نکلے اور سراقہ کو لعنت کرنے لگے کہ اس نے ہم کو یہ شکست دلوائی۔ یہ خبر اصلی سراقہ بن مالک کو پہنچی تو اُس نے کہا واللہ مجھے تمہارے جانے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ جب تم شکست کھا کر آگئے ہو تو مجھے تمہاری جنگ کی خبر ہوئی۔ شرکائے بدر میں سے جب کچھ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کو یقین ہوا کہ وہ سراقہ نہ تھا۔

یہ قصہ بہت تفصیل کے ساتھ کتب سیر میں مذکور ہے ہم نے مختصر تحریر کیا ہے۔ حاصل قصہ ابن عباسؓ و دیگر صحابہ و تابعین سے صحیح اسانید کے

۱۰

toobaafoundation.com

ساتھ مردی ہے۔ ان آیات میں واضح طور پر آیا ہے مشہور احادیث میں بھی ذکر رہے ہے۔ لہٰذا آیت کے حقیقی معنی لینے ہی صحیح ہیں۔ حقیقت متعذر نہ ہو تو مجاز کی طرف جانا کسی طرح جائز نہیں۔

مقصودِ بیان شیطان کے اغوا کا بیان اور اس بات کی صراحت کہ شیطان شروع میں آدمی کو کج روی پر اُبھارتا ہے۔ طرح طرح کے لالچ اور کامیابی کی اُمیدیں دلاتا ہے۔ ہر قسم کے وسوسے پیدا کرتا ہے۔ در پردہ بھی خیالات بدلتا ہے اور آدمی کی شکل میں آکر بھی شیطنت کرتا ہے۔ لیکن جب اپنا کام کر چکتا ہے تو نتیجۂ بد کا ذمہ دار اپنے آپ کو قرار نہیں دیتا اور ہاتھ جھاڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور تمام الزام آدمی کے سر تھوپ دیتا ہے۔ آیت میں در پردہ مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم کسی بہکانے والے کی باتوں میں آکر احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ ممکن ہے کہ وہ بہکانے والا شیطان ہو۔ اور پھر وقت پر ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جائے۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِينُهُمْ ط

جب منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض تھا کہنے لگے کہ ان کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

اور جو شخص اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو بیشک اللہ زبردست اور باحکمت ہے

تفسیر مرض سے مراد ابن عباسؓ کے قول کے موافق مرضِ شرک ہے۔ اس تقدیر پر اس قول کے قائل منافق اور مشرک دونوں ہوں گے۔ عام مفسرین کے نزدیک مرضِ نفاق مراد ہے۔ اس تقدیر پر عطف تفسیری ہوگا اور قائل صرف منافق ہوں گے۔ ابن عباسؓ کے قول سے ثابت ہے کہ بدر کے روز جب فریقین کی نظر میں اپنے حریف کی تعداد کم محسوس ہوئی تو مسلمانوں کی تعداد کم دیکھ کر بعض مشرکین کہنے لگے کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ بات یہ تھی کہ ان کہنے والوں کو مسلمانوں کی شکست کا یقین تھا۔

ابن جریج کا قول ہے کہ ایسا کہنے والے مکہ کے بعض منافق تھے جنھوں نے مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے بظاہر تو کلمہ پڑھ لیا تھا مگر مشرکوں کی معیت میں مسلمانوں سے لڑنے بھی آئے تھے۔ عامر، شعبی، مجاہد، معمر، محمد بن اسحاق وغیرہ نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ لیکن سیاقِ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے منافقوں نے یہ بات کہی تھی کہ مسلمانوں کو ان کے دین نے مغرور کر دیا ہے۔ محمدؐ کے وعدوں پر تین سو تیرہ ٹوٹے پھوٹے مسلمان ایک ہزار جنگجو بہادر قریشیوں سے لڑنے چلے ہیں۔

خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے یہ فریب اور غرور نہیں بلکہ خدا پر توکل ہے اور جو خدا پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے کیونکہ وہ غالب بھی ہے اور (دعاؤں کو) سننے والا بھی۔

مقصودِ بیان منافقوں کے کلمۂ نفاق کا بیان، اس امر کا مجمل اظہار کہ جس طرح جسمانی مرض سے نظامِ جسمانی بگڑ جاتا ہے اور آدمی کسی مصیبت یا بار کو اُٹھانے کے قابل نہیں رہتا۔ اسی طرح جن کے دلوں میں اسلام کی حقانیت کے متعلق شک اور نفاق ہے وہ روحانی مریض ہیں۔ اُن کی روح اس قابل نہیں کہ وہ اسلام کی حقانیت کے بار کو اُٹھا سکے۔ اس لئے بجائے حمایت اسلام کے اُلٹے مسلمانوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔

آیت میں اللہ پر بھروسہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے کہ توکل کرنے والوں کے لئے اللہ کافی ہے۔

توکل سے کس قسم کا توکل مراد ہے؟ اندھا توکل یا فراہمیِ اسباب کے بعد اللہ پر بھروسہ کرنا؟ اس کا بیان چار پانچ آیات کے بعد آتا ہے۔

toobaafoundation.com

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ

اور کاش تم وہ حالت دیکھتے جبکہ فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں اور اُن کے منھ اور پشت پر مارتے

اَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

ہیں اور (کہتے جاتے ہیں کہ) جلنے کا عذاب چکھو یہ اسی کا بدلہ ہے جو خود تم نے پہلے کرکے بھیجا ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ لا كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

اور یہ بات بھی ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا ہے ان لوگوں کا حال وہی ہے جیسا فرعون والوں کا اور اُن سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ اِنَّ

پہلے لوگوں کا تھا انھوں نے اللہ کے احکام کا انکار کیا تو اُن کے گناہوں کے سبب اللہ نے اُن کو پکڑا بلاشبہ

اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ○

اللہ قوی اور سخت عذاب دینے والا ہے

تفسیر گزشتہ آیات میں کفار بدر کے تکبر، غرور، قتل وہزیمت کا بیان تھا۔ ان آیات میں ان کی اس حالت کا بیان ہے جو مرنے کے وقت ان کی ہوئی۔

حافظ ابن کثیر کہتے ہیں کہ سیاق آیات اگرچہ کفارِ بدر کی رُوح نکالے جانے کے متعلق ہے، مگر مرنے کے وقت ہر کافر کا یہی حال ہوتا ہے اسی لئے خداتعالیٰ نے کفارِ بدر کی تخصیص نہیں کی بلکہ سورۃ انعام میں فرمادیا وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ الآیۃ۔

خلاصۂ آیات یہ ہے کہ کفارِ بدر یا عموماً کفار کی وہ حالت بھی عجیب ہیبت ناک تھی یا ہوتی ہے جب کہ فرشتے ان کی جان نکالتے اور پشت وچہرے پر مارتے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے کئے کی اب سزا بھگتو، دوزخ کا مزہ چکھو، یہ تمہارے افعال کی سزا ہے ورنہ خدا کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا۔ کافر کو مرنے کے وقت مابعد الموت کی تاریکی اور عذاب دکھائی دیتا ہے اور ہر لذات دنیا کو چھوڑنے سے بھی تعلق رہتا ہے، اس لئے کمبخت کو آگے پیچھے سے عذاب ہوتا ہے ممکن ہے کہ چہرے اور پشت پر مارنے سے یہ بھی مراد ہو۔

اس کے بعد خداتعالیٰ فرماتا ہے کہ "سنّتِ الٰہیہ یوں ہی جاری ہے جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے۔ اس سے پہلے دوسری قوموں نے مثلاً فرعون وغیرہ نے اللہ کے احکام سے سرتابی کی اور آیاتِ الٰہیہ کی تکذیب کی۔ اللہ نے اُن کے قصور کی پاداش میں اُن کی گرفت کی۔ ان کافروں کی حالت بھی اُن ہی جیسی ہے۔ لہٰذا خدا نے اُن کی بھی ویسی ہی گرفت کی۔ کیوں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اس کو ہر طرح کی طاقت بھی ہے لہٰذا کسی کی طاقت اُس کے سامنے نہیں چلتی اور کوئی سرکش اُس کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا۔

مقصودِ بیان حق کی پیروی کی در پردہ ہدایت، اس بات کا بیان کہ اللہ کو کسی سے ذاتی پرخاش نہیں بلکہ جو جیسا کرتا ہے ویسا بھرتا ہے، اپنے کئے کی سزا پاتا ہے۔ کفرانِ نعمت کرتا ہے نعمت سے محروم ہوجاتا ہے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ ہرگز اُس نعمت کو نہیں بدلتا جو کسی قوم کو عنایت کردیتا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی حالت

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

خود نہ بدل ڈالیں اور یہ سبب بھی ہے کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ان لوگوں کی عادت وہی ہے جیسی قوم فرعون اور اُن سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ

پہلے والوں کی تھی انھوں نے اپنے پروردگار کی آیات کی تکذیب کی اس لئے اُن کے گناہوں کی پاداش میں ہم نے اُن کو برباد کردیا اور فرعون

اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝

کے لوگوں کو غرق کردیا اور اُن میں سے ہر شخص ظالم تھا

تفسیر خدا تعالیٰ اس آیت میں ایک ضابطۂ قدرت اور قانونِ فطرت بیان کرتا ہے کہ عادتِ الٰہی یوں ہی اور قانونِ عدل اسی طور پر نافذ ہے کہ جو قوم اپنی حالت خود بدلتی ہے، خدا داد نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے کفر کرتی ہے، راہِ ہدایت کو چھوڑ کر کج روی اختیار کرتی ہے، انصاف و عدل کی بجائے حق تلفی کرنے لگتی ہے تو خدا بھی اپنی دی ہوئی نعمت اُس سے چھین لیتا ہے۔ عزت کی جگہ ذلت، حکومت و حریت کی بجائے غلامی، دولت کی جگہ افلاس اور راحت کی بجائے اُس پر مصائب نازل کرتا ہے اور انجام کاریوں ہی برباد کر دیتا ہے ورنہ خدا خود کسی سے اپنی دی ہوئی نعمت نہیں چھینتا اور خواہ مخواہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ دیکھو فرعون کی قوم اور اس سے پہلے عاد و ثمود طسم و جدیس وغیرہ اقوام نے نعمتِ الٰہی کی ناشکری کی، ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کیا، انبیاء کی تکذیب کی، اُن کے احکام کو ٹھکرایا خدا نے اُن کو تباہ کر دیا کیوں کہ اُن سب نے خود ظلم کیا تھا یہی حالت ان کافروں کی ہے۔ خدا نے ان کو دولت، مال، صحت، آزادی اور راحت عطا کی۔ نبی کو ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ رسول نے ان کو احکامِ الٰہی پہنچائے، مگر انھوں نے ناقدری کی، نبی کی ایک نہ سُنی اُلٹے اُس کے دشمن بن گئے، اہلِ حق کو ستانے لگے۔ بالآخر خدا نے ان سے اپنی نعمت چھین لی۔ ان کو ذلیل و خوار، برباد، خستہ حال کیا اور ان کی گردنوں میں مدینہ کے رہنے والوں کی غلامی کا طوق ڈالا۔ یہ سب کچھ ان کی کرتوت کی سزا ہے۔

مقصود بیان جو قوم نعمتِ الٰہی کا شکر ادا کرتی رہتی ہے اُس سے انعامِ خداوندی کبھی زائل نہیں ہوتا۔ ضمنی طور پر مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ تم بھی حق کی ڈوری نہ چھوڑنا، کفرانِ نعمت نہ کرنا ورنہ تمہارا انجام بھی گذشتہ اقوام کی طرح ہوگا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ

خدا کے نزدیک بدترین جانور وہ لوگ ہیں جو منکر ہوگئے اور ایمان نہیں لاتے جن سے تم نے عہد

مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ

لے لیا، پھر بار بار عہد توڑ ڈالتے ہیں وہ بلا خوف ہیں لہٰذا اگر تم اُن کو

toobaafoundation.com

فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ○ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن

لڑائی میں پاؤ تو ایسی سزا دو کہ اُن سے پیچھے والے بھاگ جائیں تاکہ اُن کو عبرت حاصل ہو اور اگر کسی قوم کی طرف

قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ○ ع ۴

سے تم کو دغا کا اندیشہ ہو تو تم اُن کو برابر کا جواب دو اللہ دغابازوں کو پسند نہیں کرتا

تفسیر آثار سے ثابت ہے کہ یہ آیت خاندانِ قریظہ کے یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے معاہدہ کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد نہ کریں گے، مگر انھوں نے بدر کے روز اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور سامانِ جنگ سے مشرکوں کی مدد کی پھر جواب طلب کیا گیا تو کہنے لگے ہم بھول گئے تھے اب ایسا نہ کریں گے، لیکن غزوۂ خندق میں دوبارہ عہد شکنی کی اور مشرکوں کو مدد پہنچائی بلکہ کعب بن اشرف نے مکہ جاکر قریش سے معاہدہ کیا اور ان کی خاطر سے بتوں کو سجدہ کیا اور اقرار کیا کہ مسلمانوں کی بہ نسبت تم راہِ راست پر ہو، ہم تمہاری مدد کریں گے اور بالآخر مشرکوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے مقابلے میں میدان میں آگئے۔

اگر یہ سببِ نزول صحیح ہے تب بھی آیت کا حکم عمومی ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ ویسے تو تمام کفار خبیث ہیں، مگر سب میں بدتر بلکہ جانوروں سے بھی بدتر وہ لوگ ہیں جو کفر پر مستحکم ہیں کبھی ایمان نہ لائیں گے یعنی وہ لوگ جن سے تمہارا عہد ہو چکا مگر وہ ہر مرتبہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر لڑائی میں ہاتھ آجائیں تو اُن کو سخت ترین سزا دینا چاہیئے تاکہ دوسرے لوگوں کو عبرت ہو اور وہ آئندہ عہد شکنی کی جرأت نہ کریں اور اگر عہد شکنی کا تحقق و وقوع نہ ہو بلکہ علامات و آثار دیکھ کر معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہو اور ایسے قرائن ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ لوگ اب عہد شکنی کرنی چاہتے ہیں تو اُن کو آگاہ کردو کہ اب ہمارا تمہارا کوئی معاہدہ نہیں جو تمہارا جی چاہے تم کرو جو ہمارا جی چاہے گا ہم کریں گے۔ مگر تم اپنی طرف سے (خواہ مخواہ) معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرنا کیوں کہ اللہ کو خیانت کار پسند نہیں ہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں بیان کیا ہے کہ آیت کا کریمہ خلاصہ یہ ہے کہ جو قوم عہد شکنی کرے اس کو بُری طرح قتل کردو اور جس کی طرف سے عہد شکنی کا گمان ہو اُس کو اچھی طرح آگاہ کردو کہ آج سے تمہارا ہمارا معاہدہ منسوخ ہے یعنی امام المسلمین نے جس قوم سے معاہدہ کیا ہے اگر اُن کی طرف سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور نقضِ معاہدہ کا احتمال ہو تو شکستِ معاہدے کی اطلاع و اظہار کردینا واجب ہے۔ جیسے قریظہ نے حضورؐ سے عدمِ اعانتِ مشرکین کا عہد کیا پھر مشرکین کی درخواستِ مدد کو منظور کیا اور اس وجہ سے حضورؐ کو اُن کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی کا اندیشہ ہوا تو حضورؐ نے اُن کو اطلاع دے دی، لیکن اگر نقضِ عہد بہ ظہور قطعی ہو تو فسخِ معاہدے کی اطلاع دینی ضروری نہیں۔ جب بنی بکر اور بنی خزاعہ کی جنگ ہوئی اور قریش نے بنی بکر کی مدد کی باوجودیکہ بنی خزاعہ مسلمانوں کے حلیف اور معاہد تھے تو اُس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو فسخِ معاہدے کی اطلاع دیئے بغیر مکہ پر چڑھائی کردی اور مکہ فتح ہو گیا۔

امام احمدؒ نے بروایت سلیم بن عامر بیان کیا ہے کہ جب امیر معاویہ نے روم پر چڑھائی کی تو افواجِ اسلام اور عساکرِ روم میں ایک خاص مدت کیلئے صلح ہو گئی۔ جب مدتِ معاہدہ قریب الختم ہو گئی تو مسلمانوں نے سرحد پر صف بندی کردی تاکہ مدت ختم ہو جانے پر بغیر اطلاع دیئے کفار پر حملہ کردیں۔ اتفاقاً حضرت عمرو بن عبسہ گھوڑے پر سوار نعرۂ تکبیر لگاتے ہوئے آئے اور پکار کر کہنے لگے وفائے عہد کرو شکست نہ کرو کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس قوم کے ساتھ معاہدہ ہو جائے تو مدتِ اختتام سے پہلے نہ اُس کی گرہ کھولی جائے نہ باندھی جائے۔ مدتِ معاہدہ یوں ہی گذر جانے دی جائے یا فسخِ معاہدہ (کا اعلان) کردیا جائے۔ معاویہ یہ خبر سن کر واپس آگئے۔ وقد رواہ ابو داؤد والنسائی وابن حبان والترمذی وقال حسن صحیح۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان کافر مشرک جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اگر کفار کھلم کھلا عہدشکنی کریں تو ان کو جنگ کر کے سخت ترین سزا دینی چاہیئے۔ تاکہ اور لوگوں کو شکست معاہدے کی ہمت نہ ہو اور اگر کھلم کھلا عہدشکنی نہ کی ہو بلکہ معاہدے کی خلاف ورزی کے آثار نمودار ہوں تو فسخ معاہدے کی اطلاع اُن کو دے دی جائے۔

خیانت یعنی عہدشکنی سخت جرم ہے مسلمانوں کو اس سے پرہیز رکھنا لازم ہے وغیرہ۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۭ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ

اور کافر یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچ نکلے وہ ہم کو عاجز نہیں کر سکتے اور جس قدر سامان

مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ

تم اُن کے مقابلے کے لئے فراہم کر سکتے ہو کرو قوت جسمانی اور پرورش اسپ تاکہ اس کے ذریعہ سے اللہ کے دشمنوں پر اور

عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا

اپنے دشمنوں پر اور اُن کے سوا دوسروں پر جن سے تم واقف نہیں اللہ ان سے واقف ہے دھاک بٹھادو اور راہِ خدا میں

مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

جو کچھ تم خرچ کروگے اس کا ثواب تم کو پورا پورا دیا جائے گا تمہاری حق تلفی نہ ہوگی

تفسیر علامہ سیوطی کے نزدیک اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے وہ کفار مراد ہیں جو میدانِ بدر سے جان بچا کر بھاگ گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ اب ہم مسلمانوں کی زد سے نکل گئے، لیکن سیاق عبارت بتا رہا ہے کہ ان آیات کا ربط گزشتہ آیات سے ہے، اس لئے مخصوص کفار مراد نہیں ہیں۔ بیضاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

اوپر کی آیات میں بیان کیا گیا تھا کہ معاہد کفار کی طرف سے اگر معاہدے کی خلاف ورزی کے آثار نمودار ہو جائیں تو تم بھی فسخ معاہدہ کر دو اور اس فسخ معاہدہ کی اطلاع دشمن کو دے دو۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جب فسخ معاہدہ کی اطلاع دشمنوں کو دے دی جائے گی تو ہوشیار اور بیدار ہو جائیں گے اور بیدار ہو کر پوری تیاری اور قدرت حاصل کر لیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ مسلمانوں کے قبضے کے نہ رہیں گے۔ اس شبہ کو دفع فرماتا ہے کہ تم اُن کو ہوشیار و بیدار کرنے سے قطعاً اندیشہ نہ کرو وہ کسی طرح اللہ کے قبضے سے نکل نہیں سکتے اور کبھی اللہ کو مغلوب و مقہور نہیں کر سکتے۔ بلکہ تم پر لازم ہے کہ اپنی استطاعت کے موافق جتنا بھی ممکن ہو جنگ کا ساز و سامان اور سواری کے گھوڑے فراہم کرو تاکہ دشمن کے مقابلے کے کام آئیں اور اس سے ان کافروں پر بھی تمہاری دھاک بیٹھ جائے اور دوسرے منافقوں پر بھی یعنی کافروں اور منافقوں کے مقابلے میں اسلام کی شوکت و قوت کا مظاہرہ جنگ کے ساز و سامان کی کثرت سے ہوگا۔ وہ تمہاری حقانیت و صداقت، علم و زہد و ورع وغیرہ سے تو ڈرتے نہیں البتہ جنگ کا ساز و سامان اس کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری میں جہاں تک ممکن ہو اپنا مال صرف کرو۔ جو کچھ راہِ خدا میں صرف کروگے اس کا اجر تم کو پورا پورا ملے گا۔ ذرہ برابر حق تلفی نہ کی جائے گی۔

تحلیل اجزاء مِنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ میں قوت سے کیا مراد ہے؟ عقبہ بن عامر کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر تین مرتبہ فرمایا "قوت تیر اندازی ہے" اور بعض کے نزدیک اس سے مراد قلعے گرانا ہے۔ ابن عباس کے نزدیک

toobaafoundation.com

اونٹ بیہ ہے کہ قوت سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے تیر چلانے اور جملہ ہتھیار مراد ہیں۔ مجاہد و عکرمہ کہتے ہیں کہ نر گھوڑے قوت ہیں اور گھوڑیاں رباط الخیل۔ جہاد میں مسلمانوں کو تقویت حاصل ہو خواہ کسی قسم کے ہتھیار ہوں، سامانِ رسد یا اور کچھ۔ رہی حدیث تو وہ بطورِ تمثیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تیر اندازی دشمن کی مدافعت کا سب سے بڑا ذریعہ تھی، لیکن اس زمانے میں تیر اندازی بے کار چیز ہے بلکہ بندوق، گن مشینیں، بحری و بری ہوائی توپیں، ٹینک، بم وغیرہ آلاتِ حرب ہیں۔ لہٰذا ان کی فراہمی لازم ہے۔

ابن عباس رضؓ نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ بیت المال کو خزانہ سے بھرا ہوا رکھنا لازم ہے تاکہ دشمن سے مقابلہ کے وقت کام آسکے، لیکن کہ اس زمانے میں محاصل ملکی اور مالی آمدنی کا مصرف اور مقصود ہی دوسرا قرار پایا ہے۔ چند نفس پرور استبداد پسند اُمراء کی خواہشات نفس پر قربان کردینا ہی محاصل ملکی کا اصل مقصد ہے نہ اس سے مسلمانوں کو فائدہ رسانی مقصود ہے نہ دشمنوں سے اسلام کی حفاظت پیش نظر ہے بلکہ جاہ و حشم بڑھانا، عیاشی میں برباد کرنا اور غریب مزدوروں کا خون چوس کر اپنی آسائش کے لئے فلک بوس کوٹھیاں تعمیر کرنا ہی آلِ سلطنت ہے۔ یہی نتیجہ دولت ہے

مقصود بیان

کفار کوئی تدبیر کریں اللہ کی گرفت سے باہر نہیں ہو سکتے۔ آیت میں پیشین گوئی ہے کہ بدر سے بھاگے ہوئے لوگ آئندہ مغلوب و ذلیل ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اگر آیت کو اہلِ بدر کے متعلق نہ کہا جائے تو مقصود یہ ہوگا کہ کافروں کو اگر تم فسخ معاہدہ کی اطلاع دے دو تب بھی کوئی حرج نہ ہوگا وہ کسی طرح ہزیمت ذلت وغیرہ سے بچ نہیں سکتے۔ عساکرِ اسلامیہ پر واجب ہے کہ بہ قدرِ امکان جتنا بھی ہو سکے سامانِ جنگ فراہم رکھیں تاکہ اس کے ذریعہ سے دشمنوں پر ان کی دھاک بیٹھ جائے اور بوقت ضرورت آسانی سے مقابلہ کر کے اُن پر فتح حاصل کر سکیں وغیرہ۔

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ○

اور اگر وہ صلح کی طرف جھک جائیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور خدا پر بھروسہ رکھو بے شک وہ سنتا جانتا ہے

وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ

اور اگر وہ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو تمہارے لئے خدا کافی ہے اُسی نے اپنی امداد اور مسلمانوں کے ذریعہ

وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ○ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا

سے تم کو قوت پہنچائی ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں ایسی اُلفت پیدا کر دی ہے کہ اگر تم دُنیا کے زمین کا کل سامان خرچ کر ڈالتے تب

مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ○

بھی اُن کے دلوں کو باہم نہیں ملا سکتے تھے صرف اللہ ہی نے اُن میں اُلفت پیدا کر دی۔ بلا شبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ (ع) ع

اے نبی! تمہارے لئے اللہ اور وہ مسلمان کافی ہیں جنھوں نے تمہاری پیروی کی

تفسیر

یہ گزشتہ احکام کا تکملہ ہے یعنی اگر کفار تمہارے جنگی ساز و سامان کو دیکھ کر مرعوب ہو کر صلح یا اطاعت کی طرف مائل ہو جائیں تو تم بھی بلا پس و پیش اُن سے صلح کر لو اور کچھ اندیشہ نہ کرو۔ اللہ پر بھروسہ رکھو۔ وہ خوب جانتا ہے اور سنتا ہے کہ کس مقصد سے اور کیا

toobaafoundation.com

مشورہ کر کے کافروں نے صلح کی طرف میلان کیا ہے۔ اس کے بعد اگر وہ دھوکہ بازی کریں اور پیام صلح صرف اس لئے بھیجیں کہ اپنا ساز وسامان درست کریں اور جنگی قوت بڑھالیں تو تم کچھ پرواہ نہ کرو تمہارا مددگار صرف اللہ کافی ہے، اسی نے تمہاری نصرت کے ظاہری وباطنی اسباب پیدا کئے۔ باطنی اسباب تو مخفی ہیں اور ظاہری اسباب یہ پیدا کئے کہ مومنوں کو تمہاری نصرت وامداد کے لئے مقرر فرمایا۔ باوجودیکہ ان کے دلوں میں اسلام سے پہلے دیرینہ عداوت تھی اور اس حد تک کہ اگر تم روئے زمین کے کل خزانے ان میں میل ومحبت پیدا کرنے کے لئے صرف کر ڈالتے تب بھی ان کا میل ناممکن تھا۔ مگر اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تمہاری مدد کے لئے سب کو ایک سطح پر جمع کر دیا۔ اس ائتلاف کے از رخدا کی حکمت مخفی ہے وہ باحکمت اور غالب ہے یعنی مسلمانوں کے اس ائتلاف سے مقصود یہ ہے کہ اشاعت اسلام مسلمانوں کی حکومت اور ممالک کی فتوحات حاصل ہوں۔ یہ مقصد بغیر اتحاد مسلمین کے ناممکن اسلام سے قبل تقریباً ایک سو بیس سال سے برابر عرب میں کشت وخون کے ہنگامے بپا رہتے تھے۔ اونٹ کے خون کے ایک قطرے کے عوض ہزاروں لاکھوں انسانوں کا خون بے دریغ بہا دیا جاتا تھا۔ گھوڑوں کی دوڑ اور مسابقت پر بیسیوں برس بازار قتال گرم رہتا تھا۔ بکر وتغلب کی لڑائی چالیس سال جاری رہی۔ اوس وخزرج کی عداوت پرانے زمانے سے پشت در پشت منتقل ہو کر آتی رہی، لیکن آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے ہی تمام تاریکیاں دور ہو گئیں، دیرینہ عداوتیں زائل ہو گئیں، دشمنوں کے دل بھائیوں کی طرح مل گئے، قبائل اوس خزرج بھائی بھائی بن گئے اور سبھوں نے یک روح ہو کر پرچم اسلام کو اطراف عالم کی سب اونچی چوٹیوں پر لہرا دیا۔ یہ تھی اتحاد مسلمین کی غرض اور یہ تھی اللہ کی مخفی حکمت۔

مقصود بیان کفار کی مکاری اور دھوکہ بازی سے اندیشہ نہ کرنے کی ہدایت۔ اس امر کا ضمنی ترشح کہ صلح بہرحال اچھی چیز ہے۔ جہاں تک ممکن ہو صلح کی طرف ہاتھ بڑھاؤ۔ اگرچہ یہ معلوم ہو کہ کفار صلح کے پردہ میں مسلمانوں کو فریب دینا اور اپنی قوت کو فراہم کرنا چاہتے ہیں، مگر پھر بھی اللہ کے بھروسے پر صلح کر لینا چاہیئے، لیکن آپس کے تعاون واتحاد کو قائم رکھنا چاہیئے۔ مسلمانوں میں کسی طرح تفرقہ اور پھوٹ نہ پڑنا چاہیئے۔

اس بات کی صراحت کہ مسلمانوں کا باہمی اتحاد نعمت الٰہی ہے۔ اتحاد کی بدولت یہ قہار دشمن پر بھی غالب آسکتے ہیں وغیرہ۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ

اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں سے بیس آدمی

صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ

ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب ہوں گے اور اگر تم میں سے سو آدمی ہوں گے تو ہزار کافروں پر

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ

غالب آجائیں گے کیونکہ وہ بے وقوف لوگ ہیں اب اللہ نے تم پر سہولت کردی اور اسے

اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ

معلوم ہوگیا ہے کہ تم میں کچھ کمزوری ہے تو اب اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آجائیں گے اور اگر

toobaafoundation.com

يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝

تم میں سے ہزار ہوں گے، تو دو ہزار پر بحکمِ خدا غالب ہوں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا حامی ہے

تفسیر آثارِ صحابہؓ کے مطالعہ سے ثابت ہے کہ ابتداءِ اسلام میں لوگ بہت جری تھے۔ ایک سو مسلمان ہزار کافروں کا مقابلہ کر لیتے تھے بلکہ کبھی دس آدمی دس ہزار کے لشکر پر حملہ کر دیتے تھے اور ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہ کرتے تھے۔ اُس وقت اُن کے دلوں میں ایمان اور امدادِ الٰہی کی کہربائی طاقت موجزن تھی۔ اللہ نے اس کی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ سہولت کے لئے ایک خاص حکم نازل فرما دیا اور تعداد کی خاص تعین کر دی کہ اپنے سے دس گونہ دشمنوں کے سامنے سے فرار کرنا روا نہیں۔ ہاں اگر کفار اس سے زائد ہوں تو جائز ہے کہ جان بچانے کے لئے مسلمان معرکہ سے پہلو تہی کریں، لیکن اگر دس گونہ کافروں سے زائد کا مقابلہ بھی کریں گے تو ناجائز نہیں، لیکن کچھ زمانے کے بعد مسلمانوں کے صبر و استقامت میں ضعف پیدا ہو گیا تو لوگوں کو دس گونہ کافروں سے مقابلے کا حکم بھی شاق گزرنے لگا۔ ابن عباس سے بطرقِ متعددہ یہی مروی ہے۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے تخفیف کر دی اور صرف دو گونہ کافروں سے مقابلے کا وجوبی حکم باقی رہ گیا۔ یعنی اگر مسلمان دس اور کافر بیس ہوں یا مسلمان سو اور کافر دو سو یا مسلمان ایک ہزار اور کافر دو ہزار تو ایسی صورت میں استقامت اور مقابلہ واجب ہے۔ میدانِ جنگ سے منہ موڑنا کسی طرح جائز نہیں اور اگر کفار دوچند سے زائد ہوں تو مقابلے سے ہٹ جانا جائز ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تنصیف و تضعیف سے مراد صرف عرفی تنصیف و تضعیف ہے ٹھیک نصف مراد نہیں۔ یعنی اگر مسلمان سو کے لگ بھگ ہوں۔ مثلاً ۹۷ یا ۹۸ یا ۹۹ ہوں اور کفار دو سو ہوں یا کفار دو سو پانچ ہوں اور مسلمان سو ہوں تب بھی فرار جائز نہیں واللہ اعلم۔ اخیر میں خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے یعنی جنگ میں صبر و استقامت لازم ہے۔ کثرت و قلت کو اس میں زیادہ دخل نہیں۔ جو لوگ جم کر یک دل ہو کر لڑیں گے نصرتِ الٰہی اُن کے ساتھ ہو گی۔

مقصودِ بیان جہاد کی ترغیب کا حکم۔ اس امر کی صراحت کہ کافروں کی کثرت سے مسلمانوں کو مرعوب نہ ہونا چاہیئے۔ یہ اپنے دگنی تعداد پر غالب آ سکتے ہیں، مگر صبر و استقلال لازم ہے۔ بغیر جماؤ کے کامیابی ناممکن ہے۔ اس بات کی بھی آیت میں صراحت کر دی گئی ہے کہ غلبہ و نصرت محض اللہ کے حکم پر موقوف ہے۔ طاقت و تعداد موجب فتح نہیں، لیکن اللہ اسی قوم کو فتح و کامرانی کا حکم دیتا ہے جو ثابت القلب صابر ہو اور دشمن کے مقابلے میں جم کر لڑے۔ اس میں مسلمانوں کو ایک ضابطۂ فطرت کی تعلیم دینی مقصود ہے کہ اللہ کا حکم خواہ مخواہ نہیں ہو جاتا بلکہ جو لوگ اپنی مدد خود کرتے ہیں یعنی دشمن کے مقابلے میں متحد و صابر رہتے ہیں انھیں کی فتح و نصرت کا اللہ بھی حکم دیتا ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰی حَتّٰی يُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ

نبی کے لئے مناسب نہ تھا کہ اُن کے پاس قیدی ہوتے تاوقتیکہ وہ ملک میں (کافروں کو) خوب قتل نہ کر لیتے تم دنیا کا

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ

سامان چاہتے ہو اور اللہ تمہارے لئے آخرت کو چاہتا ہے اور اللہ زبردست و باحکمت ہے اگر ایک بات

مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

اللہ کی طرف سے پہلے نہ لکھی جا چکی ہوتی تو اس مال لینے میں تم پر بڑا عذاب آ پڑتا مگر اب جو تم لے چکے ہو اُس کو حلال

toobaafoundation.com

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ۵

پاکیزہ سمجھتے ہوئے کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر

ان آیات کا سبب نزول عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر جماعتِ صحابہؓ نے اس طرح بیان کیا ہے کہ جب بدر کی جنگ میں ستر قیدی گرفتار ہو کر آئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کو کیا کرنا چاہیئے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کی قوم کے لوگ ہیں ان سے توبہ کرائیے اور انہیں چھوڑ دیجئے شاید اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ان لوگوں نے آپ کی تکذیب کی آپ کو مکہ سے نکالا۔ مجھے اجازت دیجئے میں ان کی گردنیں اُڑا دوں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ لوگ اس قابل ہیں کہ لکڑیوں کا ڈھیر کر کے اس میں رکھ کر ان کو پھونک دیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور اندر تشریف لے گئے۔ لوگوں نے اختلاف کرنا شروع کیا۔ کسی نے ابوبکرؓ کی رائے کو پسند کیا، کسی نے عمرؓ کے قول کو اور کسی نے ابن رواحہ کے خیال کو۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور فرمایا "اللہ بعض دلوں کو نرم کرتا ہے یہاں تک کہ وہ دودھ سے زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض دلوں کو سخت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ اے ابوبکر! تمہاری مثال ابراہیمؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا تھا۔ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اے ابوبکر! تمہاری مثال عیسیٰؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ اے عمر! تمہاری مثال موسیٰؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا تھا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ اے عمر! تمہاری مثال نوحؑ کی ہے جب کہ انھوں نے کہا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ تم لوگ اس وقت مفلس ہو لہٰذا ان قیدیوں میں سے کوئی رہا نہ ہوگا جب تک اپنا فدیہ (مالی معاوضہ) ادا نہ کرے ورنہ اس کی گردن مار دی جائے گی۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے زبان لڑا کر عرض کیا یا رسول اللہ! سہیل بن بیضاء کے کیونکہ اسلام کا ذکر پہلے ہی کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ خاموشی کے بعد فرمایا "ہاں سوائے سہیل بن بیضاء کے"۔ غرض ان قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا اور یہ شرط کر لی کہ آئندہ مسلمانوں سے نہ لڑیں۔

ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ انصار عباس کو قتل کرنا چاہتے تھے اور ان کو قتل کی دھمکی بھی دی تھی۔ حضورؐ کو یہ اطلاع پہنچی تو فرمایا انصار کا ارادہ ہو کر عباس کو قتل کر دیں۔ مجھے چچا عباس کے خیال سے رات کو نیند نہیں آئی۔ عمرؓ نے عرض کیا میں عباس کو لے آؤں؟ فرمایا "ہاں"۔ عمر انصار کے پاس گئے اور کہا "عباس کو چھوڑ دو"۔ انصار نے کہا "نہیں چھوڑیں گے"۔ عمر نے کہا "اگر رسول اللہؐ فرمائیں تب بھی؟" انصار نے کہا "اگر حضورؐ کی منشا ہے تو لے جاؤ"۔ حضرت عمرؓ عباسؓ کو لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور راستہ میں اُن سے کہا "عباس! مسلمان ہو جاؤ۔ مجھے تمہارا مسلمان ہونا اپنے باپ خطاب کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ مرغوب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے مسلمان ہونے سے زیادہ رغبت ہے۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ فی کس چالیس اوقیہ (سونا) لے کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا (البتہ تین آدمیوں کو قتل کیا) حضرت عباسؓ سے خود ان کی ذات کا اور اُن کے بھتیجے عقیل بن ابی طالب کا اور نوفل بن حارث کا تاوان لیا گیا۔ عباسؓ نے عرض کیا میں فقیر ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا وہ سونا جو گھر رکھ کر آئے ہو کہاں ہے؟ چونکہ اس سونے کی عباس کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لئے فرمانِ نبویؐ سنتے ہی آپ مسلمان ہو گئے۔ مگر اس قول کی محققین نے تضعیف کی ہے۔

غرض اس فدیہ لے کر چھوڑنے پر اللہ کی طرف سے رسول پاکؐ اور مسلمانوں کو عتاب آمیز لطیف خطاب ہوا۔

معتبر روایات میں آتا ہے کہ دوسرے روز حضرت عمرؓ خدمت گرامیؐ میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ حضور گرامیؐ اور ابوبکرؓ رو رہے ہیں۔ رونے کا سبب دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تیرے ساتھیوں کے لئے رو رہا ہوں کہ انھوں نے فدیہ لینا پسند کیا اور اب ان کے حق میں عذاب

toobaafoundation.com

اُس سامنے والے درخت سے بھی زیادہ نزدیک پیش کیا گیا ہے یعنی آئندہ سال اس فدیہ لینے کی یہ سزا ہوگی کہ اتنے ہی آدمی جنگ میں شہید ہوں گے۔

تحقیق اجزاء

حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ کا یہ مطلب ہے کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر ڈالنا بہتر تھا اور فدیہ لے کر چھوڑنا کسی طرح مناسب نہ تھا۔ یہ حکم بدر کے قیدیوں کے متعلق تھا اور یہ حکم اگرچہ سخت تھا مگر مصلحت وقت کے مناسب تھا۔ ایسے مصالح کو وہی خوب جانتے ہیں جو جنگ میں شریک ہوتے ہیں اور باوجود رحم دل اور مہذب ہونے کے ذرا سے قصور پر سپاہیوں کا کورٹ مارشل کردیتے ہیں، لیکن جب مسلمانوں کی کثرت ہوگئی اور مسلمان چھا گئے تو آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً سے بالعوض اور بلاعوض قیدیوں کو چھوڑ دینے کی بھی اجازت دے دی۔ گویا حکم قتل کی تعیین کو منسوخ کردیا۔ مفسر سیوطی کا یہی قول ہے۔ اسی بناء پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے اختیار کیا ہے کہ جب کوئی حربی کافر قید ہوکر آئے تو امام المسلمین کو اختیار ہے کہ اس کو قتل کردے یا فدیہ لے کر چھوڑ دے یا بلاعوض رہا کردے یا غلام بنا لے۔ ابن عمرؓ سے بھی یہی مروی ہے، لیکن امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ امام کے لئے دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہے۔ یا قتل کرنا یا غلام بنا کر رکھنا۔ رہ گئی آیت فدیہ تو وہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ سے منسوخ ہے۔ کیوں کہ سورۂ برائت بعد کو نازل ہوئی جیسا کہ صحیحین کی اُس روایت سے ظاہر ہے جس کے راوی عثمان ہیں۔ ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

امام رازی کہتے ہیں کہ آیت فدیہ یہاں کی آیت کی ناسخ نہیں نہ دونوں کے مفہوم میں تضاد ہے بلکہ دونوں آیات موافق ہیں۔ کیوں کہ دونوں آیات کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے اثخان (یعنی قتل عام) ہوجانا ضروری ہے۔ اس کے بعد بالعوض یا بلاعوض چھوڑنے کا اختیار ہے۔ مطلب یہ کہ کافروں کو عمومی قتل کرو، کسی کو مت چھوڑو۔ اس کے بعد جو لوگ رہ جائیں اُن کو چھوڑنے کا بھی اختیار ہے، لیکن امام رازیؒ کی اس تاویل کو اہلِ تحقیق نے ضعیف قرار دیا ہے بلکہ صحیح اور بہترین تاویل یہ بیان کی ہے کہ حَتّٰی یُثْخِنَ میں حتّٰی غایت کے لئے ہے اور اثخان کا حقیقی مقصود یہ ہے کہ اسلام کی شوکت و قوت کا مظاہرہ ہوجائے گویا فدیہ لینے کی ممانعت اثخان تک ہے یعنی جب تک شوکتِ اسلام کا علی الاعلان مظاہرہ نہ ہوجائے فدیہ لینا ناجائز ہے۔

حاصل حکم یہ ہوا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا نبی کے لئے جائز نہ تھا، جب تک شوکتِ اسلام کا مظاہرہ نہ ہو جاتا۔ رہا شوکتِ اسلام کے مظاہرہ کے بعد کا حکم تو اس کو آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً میں بیان کردیا۔ یعنی شوکتِ اسلامی کے ظہور کے بعد بالعوض و بلاعوض قیدیوں کو چھوڑ دینا جائز ہے میرے نزدیک بھی یہی تاویل بہتر و انسب ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے تمہارے لئے آخرت کو چاہا تھا، مگر ایسا نہ ہوا۔ کیوں کہ ارادۂ الٰہی کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں کے لئے آخرت کو پسند فرمادیا ہے اور چونکہ مسلمانوں نے ثواب آخرت کے حصول میں غلطی کی اور فدیہ لے لیا، اس لئے عتاب ہوا۔ اس آیت سے بیضاوی نے استدلال کیا ہے کہ انبیاء بھی اجتہاد کرتے ہیں اور کبھی اجتہاد میں چوک جاتے ہیں، لیکن بذریعہ وحی اُن کو مطلع کردیا جاتا ہے۔

لَوْلَا كِتٰبٌ الخ۔ یعنی اگر اللہ کی سابقہ تحریر نہ ہو چکی ہوتی تو فدیہ لینے کی وجہ سے تم پر عذاب عظیم آجاتا۔ اللہ نے سابقہ تحریر یعنی لوح محفوظ میں لکھا تھا۔ خدا ہی جانے کیا لکھا تھا؟ لیکن علماء نے قرائن سے مختلف وضاحتیں کی ہیں:۔ (۱) لوح محفوظ میں اللہ نے یہ بات لکھ دی تھی کہ جو مؤمن بندہ اجتہاد میں غلطی کرے اس پر عذاب نہ ہوگا۔ (۲) جس قوم کو کسی کام کرنے کی صریح ممانعت نہ ہو اور وہ اس کو کرلے تو ماخوذ نہ ہوگی۔ (۳) اہلِ بدر جو عمل کریں بخشے جائیں گے ہم اُن پر عذاب نہ ہوگا۔ (۴) اس اُمت پر مال فدیہ حلال ہوگا۔ بہرحال آیت میں عذاب کی تنبیہ ہے اگرچہ وعید نہیں ہے۔

فَكُلُوْا الخ۔ جب آیت عتاب نازل ہوئی تو صحابہ نے بدر کے حاصل شدہ مال غنیمت اور فدیہ میں تصرف کرنے سے ہاتھ کھینچنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی اور مال غنیمت و زرِ فدیہ حاصل کرلے اور اس میں ہر قسم کا جائز تصرف کرنے کو مباح قرار دے دیا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ نبی کو زیبا نہیں کہ قیدیوں کو گرفتار کرے اور خوب قتل نہ کرے۔ مسلمانو! تم فدیہ کی طرف مائل ہوگئے جو دنیا کا (فانی) اسباب ہے۔ اللہ تو تمہارے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے (دنیا میں مفلس رہے تو کیا اور مالدار رہے تب کیا) وہ حکیم اور زبردست ہے۔ حکم قتل کی حکمت کو خوب جانتا ہے۔ اگر تقدیر الٰہی میں بروز ازل ایک خاص حکم نہ لکھا گیا ہوتا تو اس فدیہ لینے پر تم کو عذاب عظیم ہوتا۔ خیر اب جو کچھ تم نے اُن سے لیا ہے یا مال غنیمت حاصل کیا ہے وہ تمہارے لئے حلال طیب ہے۔ کھاؤ پیو۔ اللہ معاف کرنے والا ہے، مگر آئندہ پرہیز رکھو اور اللہ

toobaafoundation.com

سے ڈرتے رہو۔

مقصودِ بیان

تاوقتیکہ شوکتِ اسلام اور قوتِ اہلِ اسلام کا ملی الاعلان مظاہرہ نہ ہو جائے اور کفار پر طاقتِ اسلامی کا رعب نہ چھا جائے اس وقت تک فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کی رسول پاک کو ممانعت، صحابہ اور رسول کو عتاب آمیز خطاب۔ اس بات کی صراحت کہ اہلِ ایمان کے لئے اللہ آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ (خواہ دنیا میں وہ دولت مند رہیں یا نادار) تقدیرِ الٰہی کے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔ فعل اگرچہ سزا کا مقتضی ہو، مگر تقدیرِ الٰہی میں اگر اس کی سزا مقدر نہیں ہے تو آدمی ماخوذ نہیں ہوتا۔ لہٰذا معتزلہ کا یہ خیال غلط ہے کہ گناہ کا اثر بالکل ایسا ہی ہے جیسے زہر کا۔ جس طرح زہر کھانے سے آدمی پر فوراً اثر ہو جاتا ہے اور آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ بلکہ زہر ہو یا گناہ دونوں کا نتیجہ یعنی ہلاکت دینا بھی بہ تقدیرِ الٰہی ہوتی ہے۔ اگر اللہ نے اس فعل یا زہر کا نتیجہ بصورت عذاب و ہلاکت مقرر کیا ہے تو ضرور ہوگا ورنہ اسباب کی تاثیر بالکل نہ ہوگی۔ انبیاء بھی اجتہاد کرتے ہیں۔ انبیاء کے اجتہاد میں کبھی چوک بھی ہو جاتی ہے، جس کی اطلاع وحی کے ذریعہ سے کر دی جاتی ہے، لیکن اس سے ان کی عصمت میں کوئی خرابی نہیں آتی کیوں کہ دینی مسائل میں کبھی وہ اجتہاد نہیں کرتے بلکہ وحی کے منتظر رہتے ہیں۔ بڑے بڑے صحابہ بھی معصوم نہ تھے بلکہ باقتضائے بشریت کبھی دنیوی مال کی طرف ان کا میلان خاطر ہو جاتا تھا۔ بشرطیکہ مال کی حرمت کا اُن کو علم نہ ہو۔ امتحان میں پڑنے کے لئے دلیری نہ کرنی چاہئے۔ بالآخر اسیرانِ بدر کا زرِ معاوضہ مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا تھا وغیرہ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اے نبی! جو قیدی تمہارے قبضہ میں ہیں اُن سے کہو کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں میں کچھ نیکی معلوم ہوگی

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اُس سے بہتر تم کو عنایت کر دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ غفور رحیم ہے

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ

اور اگر وہ تم سے دغا کرنی چاہیں تو اس سے پہلے بھی اللہ سے دغا کر چکے ہیں مگر اللہ نے اُن پر تم کو قابو دے دیا

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اللہ جاننے والا باحکمت ہے

تفسیر

سببِ نزول اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ منجملہ اسیرانِ بدر کے حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ قریش نے اپنے اپنے قیدیوں کا فدیہ بھیجا اور چھڑا لیا۔ عباسؓ نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں تو مسلمان تھا" فرمایا تمہارے اسلام کا حال خدا جانے، بظاہر تم ہم پر چڑھ کر آئے تھے۔ لہٰذا اپنا اور اپنے دونوں بھتیجوں نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور عقیل ابن ابی طالب بن عبد المطلب اور اپنے حلیف عتبہ بن عمرو کا فدیہ ادا کرو۔ عباسؓ نے عرض کیا "اتنا میرے پاس کہاں ہے؟" ایک روایت میں ہے کہ عباسؓ نے رقم مقررہ ادا کر دی اور کہا "اے میرے بھتیجے تم نے مجھے ایسا مفلس کر کے چھوڑا کہ جیتی زندگی قریش کے سامنے ہاتھ پھیلا کر ٹکڑے مانگوں"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ مال کہاں گیا جو ام الفضل اور تم نے چپکے سے زمین میں گاڑا ہے اور تم نے ام الفضل سے کہا تھا کہ دیکھو اس سفر میں کیا پیش آئے۔ اگر میں نہ لوٹا تو یہ دفینہ مال میرے بچوں فضل اور عبد اللہ اور قثم کے واسطے ہے" عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ! اب میں یقینی طور پر سمجھ گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

toobaafoundation.com

کیونکہ میں نے تو ہجرت کے وقت جو مال گاڑھا تھا اور ام الفضل کے سوا کسی کو اطلاع نہ تھی۔ اب اپنی طرف سے دیتا ہوں۔ لیکن بیس اوقیہ سونا جو میرے پاس تھا اور گرفت کے وقت لوٹ لیا گیا تھا وہ میرے حساب میں محسوب کر لیا جائے۔ حضورؐ نے فرمایا ہرگز نہیں وہ تو اللہ نے ہم کو عطا کیا ہے۔ اسی قصہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئیں۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا ہے کہ یہ آیت میرے ہی حق میں نازل ہوئی ہے۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ بیس اوقیہ سونے کی بجائے حالتِ اسلام میں اس نے مجھے بیس غلام عطا کئے، جو خود بہت قیمتی ہیں۔ گھٹیا غلام کی قیمت تقریباً بیس ہزار درہم ہے اور پھر ہر غلام میرے لئے کثیر مال تجارت لگا کر ہو بار کر رہا ہے۔ پھر اس سب کے علاوہ آخرت میں بھی اللہ سے مغفرت اور اجر جزیل کی اُمید رکھتا ہوں۔ متعدد طرق سے ثابت ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد حضرت عباسؓ بہت مال دار ہو گئے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ کے پاس صوبۂ بحرین سے کثیر مال آیا۔ نماز کے بعد حضورؐ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کیا جو سامنے آتا، اُس کو دیتے۔ یہاں تک کہ حضرت عباسؓ بھی آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! مجھ بھی دیجئے۔ میں نے اپنی جان کا اور عقیل کا فدیہ دیا تھا۔ فرمایا "لے لو"۔ حضرت عباسؓ نے دونوں ہاتھوں سے رول کر اپنے کپڑے میں خوب بھرا اور اٹھا کر لے جانا چاہا، مگر اُٹھا نہ سکا۔ عرض کیا کہ "آپ کسی کو حکم دے دیں کہ وہ اٹھوا دے"۔ حضورؐ نے مسکرا کر فرمایا "نہیں"۔ عرض کیا "آپ ہی اُٹھوا دیں"۔ فرمایا "نہیں اُٹھواؤں گا"۔ آخر عباسؓ نے اس میں سے کچھ کم کر دیا اور بمشکل اٹھا کر لے چلے۔ حضورؐ ان کی حرص کو تعجب کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سب مال بانٹ دیا۔ اُٹھے تو ایک درہم بھی وہاں باقی نہ تھا اور اپنے گھر ایک درہم بھی نہ بھجوایا تھا۔ (رواہ البخاری وجماعۃ من ائمۃ الحدیث)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اے نبی! تم بدر کے ان قیدیوں سے جو تمہارے قبضہ میں ہیں کہہ دو کہ جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس پر تم افسوس نہ کرو۔ اگر تمہارے دل میں نیکی ہوگی اور ایمان لے آؤ گے اور سچے دل سے اسلام کے مقابلے میں تلوار نہ اٹھانے کا عہد کرو گے تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اللہ اس سے بہتر تم کو عنایت کرے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اور اگر اے نبی وہ تم کو دھوکہ دینا چاہیں گے اور پھر شرارت کرنے کا ان کا ارادہ ہوگا اور عہد و پیمان کے خلاف ان کے دلوں میں مکاری چھپی ہوگی تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ خود ذلیل ہوں گے۔ پہلے بھی شرارت کر چکے ہیں اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہارے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ دوبارہ ایسی حرکت کریں گے تو پھر ایسی سزا پائیں گے۔ خدا کے علم سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اس کو ان کی نیتوں اور آئندہ ارادوں کا ابھی علم ہے، لیکن اس کی حکمت و مصلحت ہے کہ ظاہر نہیں فرماتا اور کسی کا پردہ فاش نہیں کرتا۔

مقصودِ بیان رسول پاکؐ کو قیدیوں کی طرف سے نڈر رہنے کا حکم، گرفتاران بدر کو نصیحت اور تسلی آمیز ہدایت کہ گئے ہوئے مال کا افسوس نہ کرو، جو کچھ زبان سے کہو اُس پر عمل بھی کرو۔ آئندہ زندگی کو درست رکھو۔ مسلمانوں کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ بلکہ سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ تم کو اس سے بہتر مال مل جائے گا اور آخرت میں مغفرت بھی ہوگی ورنہ مکاری کرو گے تو خود تباہ ہو جاؤ گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ

جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑا اور اپنے جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا

اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ

اور وہ مسلمان جنھوں نے ان کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہ سب ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو لوگ

آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِن

ایمان تو لائے مگر انھوں نے ہجرت نہ کی تا وقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں تمہیں ان کی دوستی سے کوئی سروکار نہیں لیکن اگر

toobaafoundation.com

اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

دینی معاملہ میں تم سے مدد مانگیں تو تم پر مدد دینی لازم ہے ہاں اس قوم کے مقابلہ میں مدد دینی لازم نہیں جس سے تمہلا

مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

معاہدہ ہوچکا ہو اور اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ ۝

ہیں اگر تم ایسا نہ کروگے تو ملک میں بڑا فتنہ اور زبردست فساد ہوگا۔

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ نے چار طرح کے مسلمانوں کا ذکر کیا ہے اور ہر ایک کے واقعی مدحیہ صفات بھی الگ الگ بیان کر دیے ہیں۔ پھر پانچویں درجہ میں تمام دنیا کے مختلف مذاہب کے کفار کا ایک ہی فرقہ قرار دیا ہے (۱) وہ لوگ جو شروع میں حضورؐ پر ایمان لائے، اور ہجرت کر کے آپ کے ساتھ یا آپ سے پہلے مدینہ میں آکر رہنے لگے۔ ان کے چار اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ اللہ اور ملائکہ اور قیامت اور انبیا پر سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ دوسرے یہ کہ انھوں نے اللہ کی خوشنودی اور اس کے رسول کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ترک وطن کیا۔ وطن کو انھوں نے چھوڑا۔ وطن نے اُن کو چھوڑا۔ تمام اعزا اقارب اور بال بچوں سے مُنہ موڑا۔ اللہ اور اس کے رسول سے رشتہ جوڑا۔ جلاء وطنی کتنی سخت چیز ہے اس کو وہی لوگ جانتے ہیں جن پر گذری ہے۔ قتل موت احمر ہے اور جلاء وطنی موت اسود۔ قتل کے بعد جلاء وطنی سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں۔ تیسرا اور چوتھا وصف یہ ہے کہ راہِ خدا میں انھوں نے جان و مال قربان کر دیا۔ سخت ترین معرکوں میں جانیں لڑا دیں، مگر حضور اقدسؐ کی رفاقت نہ چھوڑی۔ مکہ کے اندر گھاٹی میں محصور ہوئے۔ تین سال ترکِ موالات کی تکلیف اٹھائی۔ قوم نے حقہ پانی کلام سلام بند کر دیا، مگر ان کی ہمتیں کمزور نہ پڑیں۔ غارِ ثور میں ساتھ رہے۔ جس مکان سے حضورؐ نے ہجرت کی اُس مکان کے اندر حضورؐ کی بجائے خود اپنی جان کو نرغہ میں پھنسایا۔ بدر احد احزاب وغیرہ میں ساتھ رہے۔ مالی قربانیاں اس حد تک کیں کہ متعدد مرتبہ گھر میں کوئی چیز نہ چھوڑی۔ ہر چیز حضورؐ کے قدموں میں لاکر ڈال دی۔ غرض تن من دھن کسی سے بھی دریغ نہ کیا۔

(۲) وہ لوگ جنہوں نے مہاجرین اولین کو اپنے مکانوں میں جگہ دی۔ باوجودیکہ خود تنگ حال تھے، مگر اپنے معزز مہمانوں کی ہر طرح خاطر مدارات کی خود بھوکے مرے، اہل و عیال کو بھوکا رکھا، مگر مہمانوں کو تکلیف نہ ہونے دی۔ تمام دنیائے کفر کے خلاف مہاجرین کی مدد کی۔ دنیا ان کے گھروں پر چڑھ گئی، مگر انھوں نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ اپنے اہل و عیال کی طرح مہاجرین کی حفاظت کی۔ گویا انھوں نے بھی راہِ خدا میں جانیں لڑا دیں علاوہ اسلام کی اعانت میں مالی قربانیاں کامل طور پر کیں۔

(۳) وہ گروہ جو فتح مکہ سے قبل مسلمان تو ہو گیا، اللہ اور رسولؐ کی تصدیق تو کی، احکامِ شریعت کی تعمیل تو کی، مگر خاص وجہ کے تحت ترکِ وطن نہ کر سکے۔ کچھ کافروں کے پنجے میں گرفتار ہونے کے لئے مجبور رہے کوئی بیماری کے سبب حرکت نہ کر سکے۔ کسی کو اور قسم کے موانع روکے رہے۔

(۴) وہ مسلمان ہیں جو بعد میں مسلمان ہوتے۔ اپنا وطن چھوڑ کر رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اختیار کی۔ آخری جہادوں میں بھی شریک ہوئے یہ چار قسم کے مسلمان ہوئے۔ ہر گروہ کے جدا جدا احکام بیان فرمائے۔ اوّل الذکر دونوں قسموں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق دوست، جان و مال بلکہ دین و ایمان کے ساتھی ہیں۔ ان کے اندر اتحاد، تعاون، تناصر اور ولایت ہے۔ اکثر مفسرین کے نزدیک ولایت سے مراد تعاون توارث ہے یعنی انصار و مہاجرین ایک دوسرے کے رفیق جان و مال اور دینی بھائی ہیں اور میراث میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں۔
اس آیت کی بنا پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و انصار کے درمیان مواخاۃ و برادری کرا دی تھی۔ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو بھائی

toobaafoundation.com

بھائی بنا دیا تھا اور سلسلۂ توارث مہاجر و انصاری میں جاری کرا دیا تھا بلکہ قریبی وارثوں سے بھی ان دینی بھائیوں کو میراث کا زیادہ مستحق قرار دیا تھا۔ جس انصاری کو مواخاۃ کسی مہاجر سے ہوگئی تو اس نے اپنا نصف مال نصف جائیداد دے دی۔ یہاں تک کہ اگر دو بیویاں تھیں تو ایک بیوی کو طلاق دے کر اس کا نکاح مہاجر سے کر دیا، لیکن آیت میراث نازل ہونے کے بعد انصار و مہاجرین کے توارث کا حکم منسوخ ہوگیا۔

تیسرے گروہ کا حکم بیان فرمایا کہ ان لوگوں کو حق موالات حاصل نہیں۔ دین میں اشتراک ضرور ہے۔ مذہبی تعاون بھی لازم ہے، مگر مواخات و موالات کا درجہ ان کو حاصل نہیں۔ سلسلۂ توارث ان سے جاری نہیں تاوقتیکہ وطن کو نہ چھوڑیں۔ مہاجرینِ اوّلین کو ایمان اور ہجرت دو فضیلتیں حاصل تھیں اور ان کو صرف فضیلتِ ایمان حاصل ہے، ہجرت سے محروم ہیں۔ لہٰذا دونوں گروہ مساوی درجے کے نہیں ہو سکتے۔ ہاں ان کی دینی اعانت ضرور ہے۔ اگر وہ کفار کے مقابلے میں مہاجرین و انصار سے مدد کے خواستگار ہوں تو ان کی مدد کرنی لازم ہے۔ بشرطیکہ ان کی چڑھائی ایسے کافروں پر نہ ہو جن سے مہاجرین و انصار کا معاہدہ ہے۔ کیوں کہ اس صورت میں اگر ان کی امداد کی جاوے گی تو نقضِ عہد اور معاہدہ کی خلاف ورزی لازم آئیگی۔

چوتھے قسم کے مسلمانوں کا حکم آئندہ آیات میں آتا ہے۔

اب رہ گئے کفار تو ان کے متعلق فرمایا کہ ان میں باہم تعاون ہے۔ یعنی یہ اگرچہ مختلف مذاہب کے پیرو ہیں اور مختلف عقائد رکھتے ہیں، مگر مخالفتِ اسلام میں سب ایک دوسرے کے حلیف اور معاون ہیں۔ اسلام کے مقابلے میں سب متحد ہیں۔ چنانچہ بنی قریظہ کے یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف مشرکوں سے اتحاد کر لیا اور ان کی مدد کی۔ باوجودیکہ یہودیت اور بُت پرستی میں عقائد کے اعتبار سے اتنی ہی دُوری تھی جتنی اسلام اور شرک میں لہٰذا مسلمانوں کو بھی باہم اتحاد و تعاون اور تناصر کرنا چاہیئے تاکہ مجموعی طاقت اور یگانگت سے کفر کا مقابلہ ہو سکے ورنہ زمین میں فتنہ فساد بپا ہو جائے گا۔ جس سے اسلام کو ضعف اور کفر کو قوت حاصل ہوگی۔

مقصودِ بیان مہاجرین، سابقین اور انصار کے اوصاف کا خصوصی بیان اور اس بات کی صراحت کہ یہ لوگ قطعی مؤمن ہیں، ان کے ایمان میں کوئی شک نہیں۔ اس سے شیعہ اور خارجیوں کے عقیدہ کی تردید ہوتی ہے۔ جنہوں نے خلفاءِ راشدین اور صحابۂ کرام کو خارج از ایمان قرار دے رکھا ہے اور برائے نام لفظ مسلم کا ان پر اطلاق کرتے ہیں۔ تمام کفار کو موقعہ پڑنے پر ایک دوسرے کا معاون قرار دیا گیا ہے۔ اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اس زمانے میں بھی تمام کفار خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا ہندو مسلمانوں کے مقابلے میں یک زبان ہیں۔ آیت میں ضمنی ہدایت کی گئی ہے کہ جب دنیائے کفر تمہارے مقابلے کے لئے یک جہت ہے تو تم کو بھی آپس میں اتفاق و اتحاد رکھنا اور باہم تعاون کرنا لازم ہے ورنہ کفر کو غلبہ اور اسلام کو ضعف پیدا ہو جائے گا اور پھر دنیا میں تباہی و بربادی پھیلے گی۔ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ اسلام پیامِ امن ہے اور کفر مرکزِ فساد اور محورِ ظلم۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا

اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑ آئے اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنھوں نے اُن کو جگہ دی

وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

اور اُن کی مدد کی یہ سب سچے مسلمان ہیں انہی کے لئے بخشش گناہ اور عزت کی روزی ہے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور وطن چھوڑ آئے اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں

toobaafoundation.com

مِنْكُمْ ۚ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ۗ إِنَّ

داخل ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق رشتہ دار ایک دوسرے کے حقدار ہیں بلاشبہ

اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ ع ۶

اللہ سب کچھ جانتا ہے

تفسیر ان آیات میں خدا تعالیٰ مہاجرین و انصار کے واقعی اوصاف مدحیہ پیرایہ میں بیان فرماتا ہے کہ مؤمن جنہوں نے ہجرت کی اور راہِ خدا میں جہاد کیا اور وہ مؤمن جنہوں نے مہاجرین کو رہنے کو جگہ دی، اُن کی مہمانی کی اور ہر طرح سے اُن کی امداد کی۔ یعنی مہاجرین سابقین اور انصار واقعی پختہ مؤمن ہیں، اُن کے ایمان میں قطعاً شبہ نہیں ہے۔ اللہ کی طرف سے اُن کے لئے دو انعام مقرر ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اللہ نے اُن کے کُل گناہ معاف فرما دیے۔ دوسرے یہ کہ اُن کے واسطے اجرِ جزیل اور باعزت باکرامت ثواب موجود ہے۔ رہے چوتھی قسم کے مسلمان یعنی وہ لوگ جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کر کے مہاجرین انصار کے ساتھ مل کر جہاد کیا، اُن کا شمار بھی مہاجرین و انصار میں ہے۔ کچھ ایسے ہیں جن کا باہم کوئی رشتہ نہیں، کچھ ایسے ہیں جو باہم رشتہ دار ہیں۔ تو جو لوگ باہم رشتہ دار ہیں وہ ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حق دار ہیں۔

بعد کو ایمان لانے سے کیا مُراد ہے؟ اس کے متعلق علماء کے خیالات مختلف ہیں۔ مفسر جلال نے کہا "مہاجرین سابقین کے بعد"۔ بعض نے کہا "غزوۂ بدر کے بعد"۔ بعض نے کہا "اس آیت کے نزول کے بعد"۔ بعض نے کہا "صلح حدیبیہ کے بعد"۔ خازن میں ہے کہ اس سے دوسری ہجرت والے مراد ہیں جنہوں نے فتح مکّہ سے پہلے ہجرت کی تھی جیسے خالد بن ولید وغیرہ۔ بہرحال بعد سے کچھ بھی مراد لی جائے، مگر فتح مکّہ سے پہلے ہجرت کی شرط ضرور لگانی پڑے گی۔ کیوں کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ فتح مکّہ کے بعد ہجرت کا حکم باقی نہیں رہا۔

ہجرت تین قسم کی ہوتی ہے۔ اوّل وہ ہجرت جو ابتداءِ اسلام میں ہوئی جب کہ اسلام کی حالت کمزور تھی۔ دوسری وہ ہجرت جو صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکّہ سے پہلے ہوئی۔ اوّل قسم کے مہاجرین مہاجرین سابقین کہلاتے ہیں اور آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الخ میں اسی ہجرت کی طرف اشارہ ہے۔ اسلام میں سب سے زیادہ اعزاز انھیں کا ہے۔ دوسری ہجرت بھی ہجرت ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جو قیامت تک باقی ہے۔ یعنی اپنے وطن کو جو کفرستان میں واقع ہو چھوڑ کر اسلامی ملک میں ہمیشہ کے لئے چلا جانا۔ اس ہجرت کے دو حکم ہیں واجب اور مستحب۔ جس ملک میں غلبۂ کفر کی وجہ سے اسلامی فرائض و واجبات ادا کرنے کی روک ٹوک ہو وہاں سے ہجرت واجب ہے اور جہاں حدودِ اسلامی جاری نہ ہوں، فرائض و واجبات ادا کرنے کی روک ٹوک نہ ہو وہاں سے ہجرت کر جانا مستحب ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ الخ اس آیت میں کتاب اللہ سے لوحِ محفوظ مراد ہے اور بقول ابن کثیر اولوا الارحام سے تمام قرابتدار خواہ وہ ذوی الفروض ہوں یا اصطلاحی ذوی الارحام۔ اس آیت سے میراث کا وہ سلسلہ منسوخ کر دیا گیا جو گذشتہ آیات میں موالات و مواخاۃ کی وجہ سے قائم کیا گیا تھا۔ گویا یہ آیت میراث موالاۃ کی ناسخ ہے۔

مقصودِ بیان آیات میں عقدِ موالاۃ و مواخاۃ کا بھی حکم ہے اور اس کی بھی صراحت ہے کہ وہ آپس میں قریبی قرابتدار دس طرح کے ہیں۔ رہے دوسرے مسلمان وہ بھی اگرچہ دینی بھائی ہیں، مگر ان کا یہ مرتبہ نہیں۔ البتہ دینی معلومات میں اُن کی امداد کرنی واجب ہے۔ بشرطیکہ ذمی کفار پر وہ چڑھائی نہ کریں۔

آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ اہلِ اسلام کی امداد کے لئے بھی ذمی کفار سے عہد شکنی کرنی ناجائز ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں معاہدہ کی کتنی وقعت و اہمیت تھی۔ آیات کے اخیر میں قرابتداروں کا حق میراث مقدم رکھا گیا ہے اور میراث موالات کے حکم کو منسوخ

toobaafoundation.com

کردیا ہے۔ شروع آیات سے لے کر آخر آیات تک پیام اتفاق، فرمانِ اتحاد اور ہدایت تعاون لفظ لفظ سے مترشح ہے۔ کاش علماء اس پر غور کریں۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّتِسْعٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ توبہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ۱۲۹ آیتیں ہیں اور سولہ (۱۶) رکوع ہیں

قرطبی کا قول ہے کہ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے چنانچہ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ سورت فتح مکہ کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی۔ ابن زبیرؓ اور قتادہ سے بھی یوں ہی مروی ہے۔ براء ابن عازبؓ فرماتے ہیں کہ سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی وہ سورۂ برارت ہے۔ (رواہ البخاری) لیکن ابن کثیر نے اس سورت کی آخری دو آیات کو مدنی نہیں قرار دیا ہے۔

اس سورت میں ۱۳۰ یا ۱۲۹ آیات ہیں۔ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اس سورت کے مختلف نام ہیں:۔ توبہ، برآءت، فاضحہ، بحوث، مبعثرہ، مثیرہ، منقشقہ، مخزیہ، حافرہ، منکلہ، مدمدمہ، مشردہ، منفرہ۔

چونکہ انفال کی آخری آیات میں معاہدین پر چڑھائی کرنے کی ممانعت تھی اور اس سورت میں تمام معاہدات کو ختم کردیا ہے، اس لئے دونوں میں ایک حد تک مناسبت تھی۔ لہٰذا لوح محفوظ میں دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہیں۔ جبرئیل بغیر بسم اللہ کے اس سورت کو لے کر نازل ہوئے۔ (علامہ قشیری کا یہی قول ہے) اس کے علاوہ دونوں سورتوں کے مطالب میں بھی مناسبت تھی۔ آیات باہم متشابہ تھیں اگرچہ ہر سورت بجائے خود مستقل تھی اور نزول میں بھی تقدم متاخر تھا۔ ہجرت کے دوسرے سال انفال نازل ہوئی اور بقول ابن عباسؓ آٹھویں سال برارت اتری، مگر چونکہ دونوں مفہوم کے لحاظ سے شدید الاتصال تھیں، اس لئے لوح محفوظ میں ان دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں۔ قرآن پاک میں بھی اس کو بسم اللہ سے شروع نہ کرنے کی یہی وجہ ہے۔ اس کے علاوہ علماء صحابہ نے ترک تسمیہ کے دیگر اسباب بھی بیان کئے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

(۱) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کاتبوں سے اس کے موقع پر لکھوا دیتے تھے چونکہ ان دونوں کا مضمون یکساں تھا، اس لئے ہم نے دونوں کو ایک سورت سمجھ لیا، مگر حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ دونوں ایک سورت نہیں ہیں (رواہ الترمذی)

(۲) صحابہؓ کا اختلاف تھا۔ بعض صحابی ان دونوں کو ایک ہی سورت کہتے تھے۔ بعض دو ہونے کے قائل تھے، اس لئے بسم اللہ نہ لکھی گئی، مگر فصل کی علامت ظاہر کرنے کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی گئی (ابن عباسؓ) لیکن ابومسعود نے اس قول کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ ذکر تسمیہ اور ترک تسمیہ میں کسی کی رائے کو دخل نہیں یہ امر توفیقی ہے جہاں شارع نے واقف کردیا وہاں ویسا ہی کیا جائے گا بلکہ ترک تسمیہ کی صحیح ترین وجہ وہ ہے۔

(۳) جو حضرت علیؓ نے فرمائی تھی کہ بسم اللہ امان ہے اور سورۂ برارت نازل ہوئی تلوار کے ساتھ۔ یعنی سورۂ برارت تو کفار سے امن دور کرنے کے لئے نازل ہوئی اور بسم اللہ موجب امن ہے لہٰذا شروع میں ذکر تسمیہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ عرب کا بھی یہی دستور تھا کہ جب کسی عہد کو توڑنے کا خط لکھتے تو امان آمیز الفاظ سے شروع نہیں کرتے تھے۔ خفاجی نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔ سفیان بن عیینہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکین کا قطع تعلق ہے جن سے تم نے عہد کیا تھا پس (اے مشرکو)

الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي

ملک میں چار مہینے چل پھر لو اور جانے رہو کہ تم خدا کو عاجز نہیں کرسکتے اور اللہ لامحالہ کافروں کو

toobaafoundation.com

الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ

رُسوا کرنے والا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج اکبر کے دن کافروں کو اطلاع دی جاتی ہے کہ اللہ

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۵ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے پس اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ

اور اگر رُخ پھیر لوگے تو سمجھ رکھو کہ تم اللہ کو کمزور نہیں کرسکتے اور کافروں کو تکلیف دِہ عذاب کی خوشخبری

اَلِيْمٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْــــًٔا

سُنا دو ہاں جن مشرکوں سے تم نے معاہدہ کیا ہو پھر اُنھوں نے (تکمیل معاہدہ میں) کوئی کمی نہ کی ہو

وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اور تمہارے خلاف کسی کو مدد نہ دی ہو تو تم بھی مدتِ مقررہ تک اُن کے معاہدہ کو پورا کرو اللہ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ

پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے پھر جب پناہ کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ

کرو پکڑ لو گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ میں اُن کے لئے بیٹھو

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اس کے بعد اگر وہ توبہ کرلیں اور باقاعدہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو بلاشبہ اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

غفور رحیم ہے اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ

ع ۲/ ۷ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (ع)

کے کلام کو سُن لے اس کے بعد اس کو اس کی امن کی جگہ تک پہنچا دو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے نہیں ہیں

toobaafoundation.com

تفسیر

پہلے ہم اجمال کے ساتھ تفسیری مطلب بیان کرتے ہیں پھر تحقیق اجزاء اور اختلافی مسائل کی تفصیل کریں گے، لیکن سب سے اول مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سبب نزول بیان کر دیا جائے۔ جب آٹھویں سال مکہ فتح ہو گیا اور اسلام کی شوکت نمایاں ہو گئی تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور بہت سی قوموں نے دب کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں نہ کرنے کا عہد و پیمان کر لیا اور اقرار کر لیا کہ ہم آپ سے اور آپ کے ان حلیفوں سے جن سے آپ کا معاہدہ ہو چکا ہے جنگ نہ کریں گے اور ضرورت ہوئی تو مدد بھی کریں گے۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُن سے معاہدہ کر لیا تھا۔ ۹ھ میں حضور اقدس کو اطلاع ملی کہ شاہ غسان اپنی جرار فوج لے کر حدود شام سے بڑھ کر سرزمینِ حجاز میں داخل ہونا چاہتا ہے اور کفارِ عرب کے بھڑکانے سے اُس نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری کی، اس لئے حضور والا نے مسلمانوں کی زبردست جمعیت جس کی تعداد بیس ہزار کہی جاتی ہے فراہم کی اور شام کی طرف مدافعت کے ارادے سے تشریف لے گئے اور سرحدِ شام پر بمقامِ تبوک اقامت کی، لیکن وہاں غسانی فوجیں نہ تھیں، اس لئے چند روز کے قیام کے بعد وہاں سے واپس آ گئے۔ اُدھر منافقوں نے افواہیں اُڑائیں کہ اب مسلمان تباہ ہو جائیں گے۔ ملک غسان کی فوجوں کے مقابلے میں ان کا ستیاناس ہو جائے گا۔ یہ افواہیں عرب میں چاروں طرف پھیل گئیں اور ان کفار نے جن سے مسلمانوں کے معاہدے ہو گئے تھے بدعہدی کرنی شروع کر دی۔ صرف بنو ضمرہ اور بنو کنانہ اپنے معاہدے پر قائم رہے تو یہ سورت نازل ہوئی جس میں معاہدے کی خلاف ورزی کرنے والے کافروں اور منافقوں سے فسخ معاہدہ کا اعلان کیا ہے اور اُن چند مسلمانوں کو سرزنش کی گئی جو غزوۂ تبوک میں حضورؐ کے ساتھ نہ جا سکے تھے۔

حاصل آیات یہ ہے کہ:۔ اللہ اور رسول کی طرف سے مشرکوں کو صاف جواب ہے کہ اب ہمارا تمہارا کوئی عہد باقی نہیں رہا۔ صرف چار مہینے کی تم کو مہلت ہے۔ اس زمانہ میں جہاں چاہو پھر سکتے ہو۔ چار مہینے کے بعد کوئی عہد باقی نہ رہے گا۔ لہٰذا حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان عام کر دیا جائے کہ اللہ اور اُس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے۔ اب کسی قسم کی اُن کی رعایت نہیں کی جائے گی۔ حرمت جنگ کے یہ چار ماہ گذرنے کے بعد مسلمانوں پر لازم ہے کہ مشرکوں کو جہاں پائیں قتل کریں، گرفتار کریں، محاصرہ کریں، اُن کی تاک گھات میں کمین گاہوں میں بیٹھیں، لیکن اگر مشرکین اپنے عقائد و افعال سے توبہ کر لیں، توحید و رسالت وغیرہ کا اقرار کر لیں، نماز پڑھنے لگیں، زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر ان کو مارنے یا گرفتار کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُن کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ ہاں اس فسخ معاہدے سے وہ کفار مستثنیٰ ہیں جن سے مسلمانوں نے معاہدہ کیا تھا اور (مسلمانوں کی غیبت میں) انھوں نے کسی طرح کی عہد شکنی نہیں کی اور مقررہ معاہدے کی تکمیل میں کسی قسم کی کمی بھی نہیں کی۔ اُن کی مدت معاہدہ پوری کرنی لازم ہے۔ اُن کے لئے چار ماہ کا نوٹس نہیں ہے۔ اس کے بعد شبہ ہوتا تھا کہ جب کفار پر ایسی ہی مار دھاڑ رہے گی تو پھر اُن کو تبلیغِ اسلام کس طرح کی جائے گی۔ پیامِ ہدایت کیوں کر پہنچایا جائے گا نہ وہ یہاں آئیں گے نہ مسلمان وہاں جائیں گے، اس لئے آخر میں فرما دیا کہ اگر کوئی حربی تم سے امن کا خواہاں ہو اور پیامِ ہدایت سُننا چاہے تو اُس کو اتنی مدت کے لئے امن دیدو کہ وہ آکر کلامِ الٰہی سُن لے اور اس کے بعد اُس کو اُس کی امن گاہ تک پہنچا دو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ناواقف اور بے وقوف لوگ ہیں۔ اتنی اُن میں سمجھ نہیں کہ غائبانہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر سوچ کر حق و باطل میں امتیاز کر سکیں لہٰذا کلامِ الٰہی سُننا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حقانیتِ اسلام کے دلائل و براہین کو جاننا ضروری ہے اور یہ بغیر وقتی امن دہی کے ناممکن ہے۔

تحلیلِ اجزا اور تحقیقِ مباحث

اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ میں کون سے معاہدین مراد ہیں اور کس کو صاف جواب دیا گیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ اہلِ معاہدہ تین طرح کے تھے۔ ایک تو وہ جن سے معاہدہ کیا گیا اور کسی مدت کی تعیین نہیں کی گئی۔ دوسرے وہ جن کے معاہدے کی میعاد چار ماہ یا اس سے زائد تھی پھر ان ہر سہ اقسام میں کچھ وہ معاہد تھے جو اپنے معاہدے پر قائم تھے اور کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے عہد شکنی کی تھی۔ ابن کثیر نے اختلافی اقوال نقل کرنے کے بعد کہا کہ حکم برارت اُن لوگوں سے ہوا جن کے معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہ تھی یا جن سے معاہدہ چار مہینے سے کم مدت کے لئے تھا۔ رہے وہ لوگ جن کی مدتِ معاہدہ چار ماہ سے زائد تھی اُن کے ساتھ معاہدہ اختتام مدت باقی رکھنے کا حکم ہوا۔ فَاَتِمُّوْٓا سے اسی کا حکم دیا گیا۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ من کانَ بینه وبین رسول اللہ عہد فعہدہ الی مدتہ یعنی جن لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ ہو گیا ہے اُن کے معاہدے کی پابندی اختتام مدت

toobaafoundation.com

تک کی جائے گی۔ ابن جریر نے بھی اس قول کو پسند کیا ہے۔

اب چار ماہ سے کون سے چار ماہ مراد ہیں؟ تو اگرچہ علی بن ابی طلحہ اور ضحاکؒ وغیرہ کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہی چار ماہ مراد ہیں جن میں اہلِ عرب قتال وجدال کو ہمیشہ سے حرام سمجھتے آئے تھے۔ یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم۔ ابن جریر نے اسی کو پسند کیا ہے۔ مگر بیضاویؒ نے اس کو خلاف اجماع اور غلط قرار دیا ہے۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ وہ چار ماہ مراد ہیں جن میں کفار کو چلنے پھرنے کی آزادی دی گئی تھی اور کسی قسم کا تعرض نہ کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ سیاق آیات اور نظم قرآنی کے یہی مناسب ہے۔ ابن عباس، مجاہد، عمرو بن شعیب، ابن اسحاق، قتادہ، سدی اور ابن زید وغیرہ سے یہی مروی ہے۔ ائمہ اہلِ علم نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔

اِن چار ماہ کی ابتداء حجِ اکبر کے دن سے ہوئی اور اختتام دس ربیع الثانی پر ہوا۔

یوم حجِ اکبر سے کون سا دن مراد ہے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: "یہ یوم النحر ہے"۔ بخاری نے ابوہریرہؓ کا قول بھی یوں ہی روایت کیا ہے۔ ابن جریر نے خطبہ حجۃ الوداع کو روایت کرتے وقت باسنادِ صحیح مرفوعاً اسی کو روایت کیا ہے۔ ابن مسعود، ابن ابی اوفی، مغیرہ بن شعبہ اور مجاہد وجماعتِ تابعین کا بھی یہی قول ہے، لیکن حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباس اور طاؤس وغیرہ نے کہا کہ یوم عرفہ مراد ہے۔ حسن بصری اور ابن سیرینؒ کا قول ہے کہ حجِ اکبر کا دن حجِ ابوبکرؓ و حجِ رسول اللہ ﷺ کا دن تھا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ الخ بعض اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ سورۂ براءت کی بعض آیات فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئیں، اور آیات بعد کو۔ یہ آیت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس قول پر ان معاہدین سے مراد قریش ہوں گے، جنہوں نے بمقام حدیبیہ دس سال کے لئے رسول پاک ﷺ سے معاہدہ کیا تھا کہ ہم اس مدت میں با امن رہیں گے، مسلمانوں کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے۔ لہٰذا خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر وہ لوگ اپنے معاہدے پر قائم رہیں، کسی کی خلاف ورزی نہ کریں اور تمہارے خلاف کسی کو مدد بھی نہ دیں تو تم بھی معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرو۔ مدت مقررہ امن کے ساتھ پوری کردو لیکن اکثر محققین کا قول ہے کہ سورۂ براءت پوری فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ لہٰذا اس سے مراد قبائل بنوضمرہ و بنوکنانہ ہوں گے جو مسلمانوں کے بوک جانے کے بعد بھی اپنے معاہدے کے پابند رہے۔

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ میں مشرکین کا لفظ اگرچہ عام ہے، لیکن مخصوص بسنت ہے۔ مختلف صحیح احادیث میں حربی کافروں کی عورتوں، بچوں اور ان ضعیف بوڑھوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے جو لڑائی کے کام کے نہ ہوں۔ اسی طرح تارک الدنیا فقیر اور ایلچی بھی مستثنیٰ ہیں۔ ابن کثیر نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ رسولِ پاک ﷺ چار تلواریں لے کر مبعوث ہوئے۔ ایک تلوار تو مشرکین عرب کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ الآیۃ اور غالباً دوسری تلوار اہلِ کتاب کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا:- قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ تیسری تلوار منافقوں کے لئے جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا:- يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ الآیۃ۔ چوتھی تلوار باغیوں کے لئے جن کے لئے خدا تعالیٰ نے فرمایا:- وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ الآیۃ۔

وَاحْصُرُوْهُمْ کے معنی بعض لوگوں نے یہ بیان کئے ہیں کہ اُن کو حرم میں داخل ہونے سے روکو۔ مگر صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اُن کا محاصرہ کر دو اور ان کو محبوس کر دو۔ اُن کے قلعے اور امن گاہوں کو گھیر لو۔

فَاِنْ تَابُوْا الخ اس میں تنبیہ ہے کہ جو شخص نماز کو چھوڑتا ہے یا زکوٰۃ نہیں دیتا اُس کی راہ نہیں چھوڑی جائے گی (بیضاوی)

ابن کثیر نے کہا ابن عمر کی مرفوع روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ اقرار کریں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں (صحیحین) انسؓ کی روایت اسی مفہوم کی ہے مگر اس سے بہت طویل ہے (بخاری) ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ تم مامور ہو کہ نماز ٹھیک پڑھو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پس جس نے زکوٰۃ نہ دی اُس نے نماز بھی نہیں پڑھی۔

toobaafoundation.com

صدیق اکبرؓ نے اس آیت پر اعتماد کرتے ہوئے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جہاد کیا تھا اور حضرت عمرؓ کے مشورے کو بھی قبول نہ کیا تھا۔

آیات کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کا امتثالِ حکم

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اقامتِ حج اور اعلانِ براءت کے لئے امیر الحاج بنا کر مکہ کو روانہ کیا، لیکن صدیق اکبرؓ کی روانگی کے بعد فرمایا اس بات کو میرے اور میرے کسی اہلبیت کے سوا کوئی نہیں پہنچائے گا (رواہ الترمذی) یعنی کسی اور کا پہنچانا مناسب نہیں۔ بات یہ تھی کہ اہل عرب اس قسم کے معاہدے کے انعقاد یا فسخ معاہدے کے معاملات میں یا تو صاحبِ معاملہ کے قول کا اعتبار کرتے تھے یا اُس کے گھر والے کا اور حضرت ابوبکرؓ اہلِ بیت میں داخل نہ تھے اور کافروں کو ان کی عظمت و عزت کا مخصوص اندازہ تھا، اس لئے حضورؐ نے مذکورہ بالا قول فرمایا اور پیچھے سے حضرت علیؓ کو اعلانِ براءت کے لئے روانہ فرمایا۔ راستہ میں حضرت علیؓ صدیق اکبرؓ سے جا ملے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا امیر ہو کر آئے یا مامور ہو کر؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا مامور بن کر۔ غرض مکہ پہنچے۔ حضرت علیؓ نے بروز نحر منیٰ میں جمرۃ العقبہ کے پاس کھڑے ہو کر چار باتوں کا اعلان کر دیا۔ جنت میں کوئی کافر نہیں جائے گا۔ اس سال کے بعد خانہ کعبہ میں کوئی مشرک نہ داخل ہو۔ کوئی شخص برہنہ طواف نہ کرے (جاہلیت میں برہنہ ہو کر طواف کرنے کا دستور تھا) جس کسی کا رسول اللہ سے معاہدہ تھا اُس کا معاہدہ تمام ہو گیا حضرت علیؓ نے اس اعلان سے قبل سورۂ براءۃ کی تیس ۳۰ چالیس اور بقول مجاہد تیرہ آیات پہلے تلاوت کی تھیں اور بعد کو بلند آواز سے اعلان کیا تھا۔ بعض کافروں نے اس اعلان کا جواب دیا کہ اے علیؓ! اپنے بھائی سے کہدو کہ ہم نے خود معاہدہ کو پس پشت ڈالا۔ اب تلوار ہے یا تیر۔

مقصودِ بیان کفار کی عہد شکنی کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فسخ معاہدہ کرنے کے اعلان کا حکم اور اس بات کی صراحت کہ کفار کتنا بھی نقض معاہدہ کریں اور کتنی بھی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیاں کریں مگر خدا کے پنجے سے چھوٹ نہیں سکتے۔ بالآخر مسلمان اُن پر غالب آئیں گے اور ان کو ذلیل و رسوا ہونا پڑے گا۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ شرک ہی بڑا گناہ ہے۔ اللہ اور اُس کے رسولؐ اہل شرک سے بیزار ہیں خواہ مشرک کوئی ہوں۔ آیات میں مشرکوں کو توبہ کی تلقین بھی کی گئی ہے اور ظاہر کیا کہ مسلمان ہو جانا تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اس بات کی بھی صراحت ہے کہ اللہ نے جو فسخ معاہدہ کا حکم دیا ہے وہ ظلم پر مبنی نہیں ہے۔ نہ یہ شکست معاہدہ نہ تمام مشرکوں سے کئے ہوئے معاہدات کو ٹھکرایا ہے نہ اسلام جنگجو مذہب ہے بلکہ فسخ معاہدہ کا حکم صرف اُن لوگوں سے ہے جنہوں نے خود عہد شکنی کی۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف دوسری کو مدد دی اور تکمیل وعدہ میں قصور کیا۔ اس سے ضمنی طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ مشرکوں نے تو بغیر اعلانِ فسخ کے معاہدہ کی شکست کی، مگر اسلام اتنا تنگ ظرف اور پست حوصلہ مذہب نہیں کہ اعلانِ فسخ سے اندیشہ کرے اور چپکے چپکے بغیر اعلان کے معاہدہ کی خلاف ورزی شروع کر دے۔ آیات کی صراحت سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے اور بطریق مفہوم مخالف یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو لوگ نماز نہ پڑھیں یا زکوٰۃ نہ دیں اُن سے لڑنا اور جہاد کرنا لازم ہے خواہ وہ فرضیت سے انکار کریں یا نہ کریں۔ بسہولت تبلیغ احکام کے لئے اللہ نے مشرکوں کو قرآن سننے اور ہدایت یاب ہونے کے لئے مسلمانوں سے ملنے کی اجازت دے دی ہے اور مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ ان کو پناہ دو اور ان کو قرآن سناؤ جب وہ کلام اللہ سن چکیں تو اُن کو اپنے ٹھکانے پہنچا دو۔ وغیرہ۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِندَ اللَّهِ وَعِندَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّمْ

مشرکوں کا عہد اللہ اور اُس کے رسول کے نزدیک کس طرح رہ سکتا ہے مگر ہاں جن سے تم نے

عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

مسجد حرام کے پاس معاہدہ کیا ہے تو جب تک وہ تم سے سیدھے رہیں تم بھی اُن سے سیدھے رہو بلاشبہ اللہ پرہیزگاروں

toobaafoundation.com

الْمُتَّقِيْنَ ○ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط

کو دوست رکھتا ہے۔ صلح کیونکر رہ سکتی ہے حالانکہ اُن کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پاجائیں تو نہ کسی قرابت کا خیال رکھیں گے نہ کسی عہد کا

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ج وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ع اِشْتَرَوْا

وہ اپنی زبانی گفتگو سے تم کو راضی کررہے ہیں مگر اُن کے دل نہیں مانتے اُن میں سے اکثر بدکار ہیں اُنھوں نے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ط اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا

آیاتِ خدا کے عوض تھوڑے دام لے لئے اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکا بلاشبہ بُری حرکتیں ہیں جو وہ

يَعْمَلُوْنَ ○ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

کررہے ہیں کسی مسلمان کے بارے میں وہ نہ قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ عہد کا یہی زیادتی کرنے

الْمُعْتَدُوْنَ ○ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ

والے ہیں پس اگر وہ توبہ کرلیں اور باقاعدہ نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو تمہارے

فِي الدِّيْنِ ط وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

دینی بھائی ہیں اور ہم ناواقف لوگوں کے لئے احکام کھول کر بیان کرتے ہیں اور اگر عہد کے بعد وہ اپنی

مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ

قسمیں توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے پیشواؤں سے لڑو بلاشبہ اُن کی

لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ○

قسمیں کچھ بھی قابلِ اعتبار نہیں ہیں شاید وہ باز آجائیں

تفسیر گزشتہ آیات میں مشرکوں کے معاہدہ کو فسخ کردینے کا حکم تھا، مگر وجہ فسخ کوئی نہیں بتائی تھی۔ ان آیات میں وجوہ فسخ بیان فرماتا ہے حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے قریب معاہدہ کیا تھا (یعنی قریش یا بنی کنانہ اور بنو ضمرہ) ان کو چھوڑ کر دیگر مشرکوں سے جو معاہدہ کیا گیا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کیوں کر باقی رہ سکتا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو باقی نہیں چھوڑ سکتے کیوں کہ اُن میں چند اوصاف قبیحہ اور عہد شکن عادات ہیں۔

(۱) اُن کی یہ حالت ہے کہ اگر اُن کا دست رس ہو اور تم پر قابو چل جائے تو پھر کسی رشتہ داری کا لحاظ کریں گے نہ عہد و میثاق کا۔

(۲) وہ تم کو خوش کرنے کے لئے زبانی چکنی چپڑی باتیں کرتے ہیں، مگر اُن کے دل پھرے ہوئے ہیں اور اُن کے ارادوں میں کھوٹ ہے

toobaafoundation.com

(۳) اگرچہ کافر سب ہیں، مگر اُن میں سے اکثر حالتِ کفر میں بھی اچھے عادات اور عمدہ اطوار نہیں رکھتے بلکہ بیشتر حصہ فاسق ہے۔

(۴) انھوں نے دنیا کے حقیر فوائد کے عوض احکامِ الٰہی کو فروخت کر دیا یعنی اپنی ریاست و سرداری قائم رکھنے کے لئے احکامِ الٰہی کو نہ مانا اور دوسروں کو راہِ حق سے روکا۔ ممکن ہے اس سے یہودیوں کی طرف اشارہ ہو جنھوں نے رشوتیں لے کر تحریف کر دی تھی۔

(۵) یہ فقط تم سے ان کو بیر ہے بلکہ ہر مومن سے ان کو دشمنی ہے۔ کسی ایماندار کے حق میں ان کو قرابت اور عہد و پیمان کا کوئی لحاظ نہیں رہتا۔

(۶) زیادتی انہیں کی طرف سے ہوئی۔ یہی حدِ مقررہ سے آگے بڑھنے والے ہیں۔ لہٰذا اللہ اور اللہ کا رسول بھی ان کے معاہدے کو برقرار نہیں رکھتا اور فسخِ معاہدہ کرتا ہے، لیکن یہ عہد شکن لوگ اگر مسلمان ہو جائیں اور مسلمانوں کی طرح اسلام کے فرائض ادا کرنے لگیں تو وہ دینی بھائی ہو گئے۔ ان کے احکام مسلمانوں کے طرح ہیں۔ اب رہے وہ لوگ جن سے کعبہ کے قریب یعنی بمقام حدیبیہ تم نے صلح کی تھی اور دس سال کے لئے معاہدہ کیا تھا تو ان کا معاملہ بدستور باقی ہے بشرطیکہ وہ اپنے عہد پر قائم رہیں۔ تم بھی قائم رہو اور اگر وہ شکستِ معاہدہ کر دیں اور دینِ اسلام پر طعنہ زنی کریں تو بس تلوار پکڑو۔ یہ سب کفر کے سرغنہ ہیں ان کو مارو۔ آئندہ کیسا ہی قول و قسم کے ساتھ عہد کریں ایک نہ سنو۔ ان کے عہد و میثاق کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ سزا اُن کو صرف اس لئے دو کہ دوسرے لوگ اس سے عبرت پکڑیں اور معاہدہ کی خلاف ورزی سے باز آ جائیں۔

ابن کثیر نے اسی جگہ سے استنباط کیا ہے کہ جو شخص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بدگوئی کرے یا کوئی عیب لگائے یا حضورؐ کی کسی حالت پر طعنہ زنی کرے وہ واجب القتل ہے۔

أَئِمَّةَ الْكُفْرِ سے کون لوگ مراد ہیں؟ قتادہ نے ائمۃ الکفر کی مثال میں ابوجہل، عتبہ، شیبہ، اُمیہ بن خلف وغیرہ مشرکین کے اسماء بیان کئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ائمۂ کفر تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص ایک خارجی کی طرف سے گذرے۔ اُس نے بطورِ طعن کے کہا "یہ شخص بھی ائمۂ کفر میں سے ہے"۔ سعد نے فرمایا "بدبخت جھوٹ بولتا ہے، میں ایسا نہیں ہوں بلکہ میں نے تو ائمۂ کفر سے قتال کیا ہے"۔ (رواہ ابن مردویہ) حذیفہ سے مروی ہے کہ جو لوگ اس آیت سے مراد ہیں۔ ابھی تک اُن سے قتال نہیں ہوا۔ حضرت علیؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے یعنی آئندہ آنے والے ہیں۔ مجاہد کی روایت ہے کہ ائمۂ کفر اہلِ فارس و روم تھے۔ حسن بصری نے اہلِ دیلم کو مراد لیا ہے۔ صدیق اکبرؓ نے جب مسلمانوں کا لشکر ملکِ شام کی طرف بھیجا تو فرمایا وہ عنقریب تم کو ایسے کافر لوگ ملیں گے جن کے سروں کی چندیا مُنڈی ہوئی ہوگی اور آس پاس بال ہوں گے پس شیطان کے قدمچے پر تلوار ماریں۔ ماریں قسم ہے اللہ کی اگر میں اُن میں سے ایک کو قتل کر ڈالوں تو دوسرے ستر کافروں کو قتل کرنے سے مجھے زیادہ پسند ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ الآیۃ (رواہ ابن ابی حاتم) یعنی وہ کفار جن کی صدیق اکبرؓ نے شناخت بتا دی تھی، بڑے مفسد تھے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی شان میں گستاخ باتیں کہتے اور بہتان تراشیاں کیا کرتے تھے اور چونکہ وہ دولت مند تھے، اس لئے کفر کو ان سے بہت ترقی ہوتی تھی اور عام فساد پھیلتا تھا، لیکن محققین کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ ائمۂ کفر سے خاص افراد مراد نہیں ہیں۔ قریش کے سرداران ہوں یا دیگر قبائلِ عرب کے یا اسرائیلیوں کے پیشوا یا بعد کو آنے والے سردارانِ کفر۔ یہاں تک کہ اس زمانے میں جو لوگ کفر کے سرغنہ، مسلمانوں کے قطعی دشمن اور رسولِ اسلام پر طعن کرنے والے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ہر وقت کوشش کرنے والے ہیں وہ سب ائمۂ کفر ہیں اور سب کا ایک ہی حکم ہے۔

مقصود بیان

اس بات کی صراحت کہ فسخِ معاہدہ میں مسلمانوں کا کوئی قصور نہیں بلکہ کفار نے نقضِ عہد میں پیش دستی کی، مگر مجبور تھے بس نہ چل سکا ورنہ ان کو عہد و پیمان یا دوستی و قرابت کا لحاظ پاس نہ تھا۔ ان کو ہر مومن سے دشمنی ہے۔ لہٰذا ایسی عہد شکن غدار قوم سے کسی طرح کا معاہدہ قائم رکھنا خلافِ مصلحت اور پست حوصلگی ہے۔ آیات سے واضح طور پر ظاہر ہو رہا ہے کہ اسلام عدل و مساوات کا علمبردار ہے۔ مسلمانوں کو اپنی طرف سے اقدام کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ مدافعانہ کارروائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یعنی جیسا معاملہ کفار تم سے کریں ویسا ہی تم اُن سے کرو۔ وہ پابندیٔ عہد کریں تم بھی پابندیٔ عہد کرلو۔ وہ خلاف ورزی کریں تم بھی ایسا ہی کرو، مگر پہلے اظہار فسخ کر دو تاکہ کفار دھوکے میں نہ رہیں۔ وغیرہ۔

toobaafoundation.com

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ

تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کو نکال دینے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ہی پہلی مرتبہ

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○

تم سے چھیڑ شروع کی کیا تم اُن سے ڈرتے ہو اگر تم ایماندار ہو تو (سمجھ لو کہ) اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

تم اُن سے لڑو تمہارے ہاتھوں سے اللہ ان کو سزا دے گا رسوا کرے گا اور تم کو اُن پر فتح یاب کرے گا اور مسلمانوں کے

صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ○ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللَّهُ

دل ٹھنڈے کرے گا اور اُن کے دلوں کی جلن دور کرے گا اور جس شخص پر چاہتا ہے

عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○

اللہ مہربانی فرماتا ہے اور اللہ دانا و باحکمت ہے

تفسیر جو لوگ کہتے ہیں کہ کل سورۂ برأت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اُن کے نزدیک ان آیات میں جن لوگوں سے لڑنے کی ترغیب دی گئی ہے اُن سے مراد خاندانِ قریظہ کے یہودی ہیں جنہوں نے آپس میں اسکیمیں بنائی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے نکال دینا چاہیئے، بلکہ بعض نے تو فریب سے قتل کر دینے کا بھی ارادہ بھی کیا تھا، مگر خدا نے اُن کا فریب کھول دیا۔ ارادۂ قتل کی تفصیل کتب احادیث میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ متعدد مرتبہ عہد شکنی بھی کر چکے تھے۔ ایک مرتبہ معاہدہ کیا اور معاہدہ کے خلاف مشرکین کو امداد دینے کا دعدہ کیا پھر عذر معذرت کر کے وعدہ کیا اور وعدہ شکنی کر کے جنگ احزاب میں مشرکوں کو مدد دی۔ بالآخر خدا تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

لیکن اکثر محققین کے نزدیک آیات میں قریش کی بدعہدی کی طرف اشارہ ہے۔ جب ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کے لئے مکہ کا قصد کیا اور تقریباً سو آدمیوں کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے اور مکہ سے نو میل دورے بمقام حدیبیہ پہنچے تو کفار مکہ نے روک دیا اور مارنے مرنے کو تیار ہو گئے۔ حضورؐ جنگ کے خواستگار نہ تھے بالآخر صلح ہو گئی۔ معاہدہ قرار پایا، عہدنامہ لکھا گیا۔ جس کے چند دفعات یہ تھے۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کئے چلے جائیں آئندہ سال آکر عمرہ کریں، لیکن تین روز سے زائد مکہ میں نہ ٹھہریں۔ برہنہ ہتھیار لے کر مکہ میں نہ داخل ہوں۔ ہمارے اور ہمارے حلیفوں کے خلاف کوئی کارروائی دس سال تک نہ کریں۔ ہم بھی مسلمانوں پر چڑھائی نہ کریں گے اور نہ اُن قوموں کو ستائیں گے جن کا معاہدہ مسلمانوں سے ہوگا۔ غرض حضورؐ واپس تشریف لے آئے۔ کچھ ہی مدت کے بعد قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی، جس کی صورت یہ ہوئی کہ اطراف میں بکر بن وائل کا خاندان آباد تھا۔ اس خاندان کا قریش سے عہد و پیمان تھا گویا قبائل بکر قریش کے حلیف تھے۔ ایک تو خزاعہ نے عبدالمطلب جد رسول اللہؐ سے معاہدہ کیا تھا جس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم و برقرار رکھا تھا۔ دوسرے خود حضورؐ سے بھی ان کا قول و قرار ہو گیا تھا اور ہر دو فریق نے مصیبت کے وقت ایک دوسرے کی شرکت کا وعدہ کر لیا تھا۔ قبیلۂ بکر اور قبیلۂ خزاعہ

toobaafoundation.com

دیرینہ عداوت تھی۔ ایک بار قبیلۂ بکر کا ایک آدمی دف بجا بجا کر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ برا کہہ رہا تھا۔ خزاعہ کے ایک شخص نے اس کو منع کیا، اُس نے نہ مانا۔ خزاعی نے اُس کا دف توڑ ڈالا۔ اُس نے اپنی قوم سے فریاد کی۔ دونوں قبیلوں میں لڑائی شروع ہوگئی۔ قبیلۂ بکر نے قریش سے مدد طلب کی۔ قریش کا اگرچہ مسلمانوں سے معاہدہ ہوچکا تھا، لیکن اس معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہ سرداران قریش نے بھیس بدل کر قبیلۂ بکر کے شریک ہوکر قبیلۂ خزاعہ پر شبخون مارا۔ اس پر خزاعہ کا سردار عمرو بن سالم مدینے پہنچا اور دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر منظوم فریاد پیش کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سُن کر تکلیف ہوئی اور آپ نے قریش پر لشکر کشی کرنے کا ارادہ کرلیا، لیکن قریش کی طرف سے مسلمانوں کو اندیشہ تھا۔ اس پر خداتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں چند باتیں ظاہر فرمائیں۔ کافروں نے سب سے پہلے عہد شکنی کی۔ دارالندوہ میں مشورہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر بدر ہونے پر مجبور کیا۔ سب سے اوّل چھیڑ انھیں کی طرف سے ہوئی۔ تمہارے ہاتھوں اللہ اُن کو ذلیل کرے گا اور تم کو فتحیاب کرے گا۔ کوئی صورت خلاف ارادہ ایسی پیش آئے گی جس سے تمہارے دل ٹھنڈے ہوں۔ اُن میں سے وہ لوگ مسلمان ہوجائیں گے جن کا مسلمان ہونا خدا کو منظور ہوگا۔ گویا مسلمانوں کو جنگ کی ترغیب دینے کے لئے تین گذشتہ موعودہ اسبابِ جنگ ظاہر کئے اور تین باتوں کا آئندہ کے لئے وعدہ کیا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ ہجرت کے آٹھویں سال حضورؐ نے مکہ پر لشکر کشی کی۔ کفار پر رعب چھا گیا۔ ابوسفیان نے حاضر ہوکر اہلِ مکہ کے لئے جدید معاہدہ کرنا چاہا، مگر حضورؐ نے انکار کردیا اور بالآخر نہایت شان وشوکت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔ سب لوگ عاجزانہ طور پر حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے سرداران مشرکین کی درخواست پر اُن کو امان دی، لیکن ایک گروہ لڑائی پر اڑ گیا اور مارا گیا۔ پھر حضورؐ نے خالد بن ولیدؓ کے پاس قاصد بھیجا کہ اب کسی کو قتل نہ کرو۔ حکم سُننے میں قاصد کو کچھ غلطی ہوئی۔ اُس نے جاکر ایسے مشتبہ الفاظ کہے جن سے صراحۃً قتل سے دست کشی کا مفہوم نہ نکلتا تھا۔ کچھ دیر بعد تک بھی قتال جاری رہا اور اس طرح بلا ارادہ اہلِ اسلام اور قبیلۂ خزاعہ والوں کے دل ٹھنڈے ہوئے۔ اس کے بعد اہلِ مکہ میں سے بعض حضرات مسلمان بھی ہوگئے۔ مثلاً ابوسفیان، معاویہ، عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور خداتعالیٰ کی تینوں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ اس توضیح پر ان آیات کا نزول فتح مکہ سے پہلے مانا جائے گا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک صحیح بھی یہی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! تم ایسی قوم سے جہاد کیوں نہیں کرتے۔ جس نے اپنے پختہ معاہدوں کو توڑا یعنی قبیلۂ خزاعہ پر شبخون مارا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے نکال دینے کا ارادہ کیا۔ یعنی قتل کا ارادہ کیا جن سے بچنے کے لئے رسول اللہؐ نے وطن کو چھوڑا اور انھوں نے ہی سب سے پہلے چھیڑ کی۔ یعنی بلا قصور تم کو ایذا پہنچانے، مار پیٹ کرنے اور طرح طرح سے تکلیفیں دینے کی ابتدا انھیں کی طرف سے ہوئی۔ لہٰذا تم کو اس ظلم وفساد کی بیخ کنی کرنے اور ان سے لڑکر عدل وانصاف پھیلانے میں کون سی بات مانع ہے۔ کیا تم کو ان سے ڈر لگتا ہے یعنی کیا تم کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ اُن کی طاقت زبردست ہے، ہم کو ان کو مقابلے میں کامیابی نہ ہوگی۔ حالاں کہ تم کو خوف تو بس خدا سے چاہیئے یعنی اسی کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ اُن کی طاقت خدا کی طاقت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا اگر تمہارا ایمان پختہ ہے تو تم ان سے ہرگز نہ ڈرو بلکہ اُن سے لڑو۔ اللہ وعدہ کرتا ہے کہ تمہارے ہاتھوں سے اُن کو ذلیل کرے گا، اُن کو برباد ورسوا کرے گا، تم کو ان پر فتحیاب کرے گا اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرے گا پھر اس کی ازلی مشیت میں جس کی قسمت میں ایمان واسلام لکھا ہوگا اُس کو مسلمان ہونے کی توفیق دے گا اور اس کی توبہ قبول کرے گا۔ وہی اپنے اسرار و مصالح جانتا ہے۔

مقصودِ بیان مسلمانوں کو فتح کی ترغیب، اس امر کی صراحت کہ اگر قریش پر چڑھائی کروگے تو یہ تمہاری طرف سے اقدام نہ ہوگا بلکہ اپنے تحفظ وبقا کے لئے مدافعانہ کارروائی ہوگی۔ کیوں کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی ابتدا قریش ہی کی طرف سے ہوئی شروع سے یہ تکلیفیں دیتے چلے آئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے شہر بدر کیا۔ مسلمانوں کو انھوں نے ایذا دی پھر اسی پر بس نہ کیا بلکہ اب معاہدے کے بعد خود ہی چھیڑ کی۔ آیات میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ مسلمانوں کو فتحیاب کرنے کی، اُن کے دل ٹھنڈا کرنے کی، اہلِ مکہ میں سے بعض لوگوں کے مسلمان ہونے کی وغیرہ۔ آیات میں ضمنی طور پر بیان ہے کہ اگر کفار کی طرف سے شکست معاہدہ ہو تو مسلمانوں کو بھی معاہدہ کی پابندی نہ کرنی چاہیئے اور کفار کی طرف بڑھنا چاہیئے۔

toobaafoundation.com

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا

کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی چھوٹ جاؤ گے حالانکہ اللہ نے تم میں سے ابھی تک ان لوگوں کو ممتاز نہیں کیا جو جہاد کرتے ہیں اور اللہ

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ ع ۱۰ ۸

اللہ کے رسول اور مسلمانوں کو چھوڑ کر اوروں کو دوست نہیں بناتے اور تم جو کچھ کر رہے ہو اللہ کو اس کی سب خبر ہے

تفسیر اوپر آیات میں قتال وجہاد کا حکم دیا گیا تھا اور کافروں کی طرف اسباب قتال کی ابتداء ظاہر کرنے کے بعد حکمت قتال یہ بیان کی تھی کہ اللہ کافروں کو ذلیل و رسوا اور مغلوب کرنا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے دلوں کو ٹھنڈا کرنا مقصود ہے، اس لئے تمہارے ہاتھوں سے اُن کو تباہ کرنے کا حکم دیا، لیکن اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ کافروں کی ذلت رسوائی اور تباہی تو بغیر جہاد کے بھی ممکن تھی۔ خدا تعالیٰ کچھ غیبی اسباب پیدا کر دیتا یا کافروں میں باہم جنگ وجدال کا سلسلہ قائم کر دیتا اور وہ خود ایک دوسرے کو تباہ کر دیتے۔ مسلمانوں کو کشمکش میں ڈالنے اور مصائب جہاد میں مبتلا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟۔ اس شبہ کو دفع کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ قتال سے مقصود فقط ذلت کفار ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کی آزمائش بھی مقصود ہے اور اہل ایمان کا اہل نفاق سے امتیاز غرض ہے۔ خواہ مخواہ یوں ہی بغیر امتحان و امتیاز کے نہیں چھوڑا جا سکتا۔ ابھی تک مفصل طور پر یہ ظاہر نہیں ہوا کہ مدعیان اسلام میں سے کون ہیں وہ لوگ جنہوں نے راہ خدا میں جہاد کیا ہو اور خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کی ہو اور گروہ اسلام کو قوت پیدا کی ہو۔ لہٰذا یہ ایک کسوٹی ہے تم ضرور اس پر کسے جاؤ گے جو اس پر کھرا نکلا وہی حقیقی ایماندار ہے ورنہ منافق ہے۔

مقصود بیان جہاد کا حکم محض اس لئے نہیں ہوا کہ کافر ذلیل و رسوا ہو جائیں بلکہ اس سے مقصود اہل اسلام کی آزمائش اور مومن و منافق کا امتیاز بھی ہے۔ جہاد سے پہلے اگرچہ غور کرو ہر ایک کی حالت معلوم تھی، مگر عام طور پر نفاق و ایمان کا اظہار نہ ہوا تھا، اس لئے جہاد کا وجوب ہوا۔ جو جہاد میں ثابت قدم رہے اور دل سے شریک قتال ہوئے وہ پکے مؤمن ہیں اور جنہوں نے مصائب جہاد برداشت کرنے سے گریز کیا وہ منافق ہیں۔ مسلمانوں کے خلاف کافروں سے دوستی کرنا حرام ہے۔ وغیرہ۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ۚ

مشرکوں کا کام نہیں کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں اور اپنے اوپر کفر کی گواہی بھی دیتے جائیں

أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۷﴾ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ

انہی لوگوں کے اعمال اکارت ہو گئے اور یہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اللہ کی مسجدیں تو صرف وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۖ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ

اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو نماز باقاعدہ پڑھتا ہو زکوٰۃ دیتا ہو اور سوائے خدا کے کسی سے نہ ڈرتا ہو تو توقع ہے کہ یہی لوگ

أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

کامیاب ہوں گے کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد کرنے (والے) کو اس شخص کی طرح

toobaafoundation.com

كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ

قرار دیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کیا خدا کے نزدیک یہ برابر

اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

نہیں ہیں اور اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا جو لوگ ایمان لائے اور وطن چھوڑا اور جان و

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ

مال سے راہِ خدا میں جہاد کیا خدا کے نزدیک اُن کا مرتبہ بہت بڑا ہے اور یہی

هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا

مراد پانے والے ہیں اُن کا رب اُن کو اپنی رحمت کی اور خوشنودی کی اور اُن کے باغوں (میں داخل ہونے) کی خوشخبری دیتا ہے

نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

جن کے اندر دائمی آرام ہوگا وہ ہمیشہ اُن کے اندر رہیں گے بلاشبہ اللہ کے ہاں بڑا ثواب ہے

تفسیر ان آیات کے سبب نزول میں مختلف قصّے وارد ہیں۔ مثلاً حضرت عباسؓ جنگِ بدر میں گرفتار ہوکر آئے تو انھوں نے مشرکوں کے فضائل شمار کرنا شروع کئے اور کہنے لگے "ہم لوگ حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، خانہ کعبہ کی تعمیر کرتے ہیں، ہم بھی نیکی کرتے میں مومنوں سے کم نہیں"

ابن جریر نے بروایت محمد بن کعب قرظی بیان کیا ہے کہ ایک بار تین آدمی ایک جگہ جمع ہوئے۔ عثمان بن طلحہؓ، عباسؓ اور حضرت علیؓ۔ عثمانؓ نے کہا "مجھے یہ فضیلت حاصل ہے کہ کعبہ کی کنجی میرے پاس ہے۔ میں چاہوں تو کعبہ کے اندر سو بھی سکتا ہوں"۔ عباسؓ نے کہا "میں زمزم کا پانی حاجیوں کو پلاتا ہوں مجھے بھی کعبہ کے اندر سونے کا استحقاق ہے"۔ حضرت علیؓ نے فرمایا "میں نہیں سمجھتا کہ تم لوگ کیا کہتے ہو؟ میں نے لوگوں سے چند مہینے پہلے قبلہ کی طرف نماز پڑھی اور میں صاحبِ جہاد بھی ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ سدی کی روایت بھی اسی طرح ہے۔ رواہ عبد الرزاق باسنادہ عن الحسن۔

نعمان بن بشیر انصاریؓ فرماتے ہیں: میں چند صحابہ کے ساتھ مسجد میں ممبر اقدس کے پاس بیٹھا ہوا تھا (صحابہ میں باہم گفتگو ہونے لگی کہ ایمان کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟) ایک نے کہا مسلمان ہونے کے بعد اگر میں حاجیوں کو پانی پلانے کے علاوہ کوئی عمل نہ کروں تو مجھے پروا نہیں یعنی ایمان کے بعد سب سے بہتر عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے۔ دوسرے نے کہا نہیں بلکہ مسجد حرام کی تعمیر سب سے بہتر عمل ہے۔ تیسرے نے کہا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس سے بھی افضل ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان سب کو جھڑک دیا اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ممبر کے پاس شور مت مچاؤ۔ میں جمعہ پڑھ کر حضور گرامیؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور حضورؐ سے اس کے متعلق دریافت کروں گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایسا ہی کیا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاۗجِّ تا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ آیات نازل فرمائیں۔

آل ابن کثیر وقد رواہ مسلم وابوداؤد وابن جریر وابن مردویہ وابن ابی حاتم وابن حبان وغیرہم۔

خلاصہ یہ نکلا کہ ایامِ حج میں مکّہ کے مشرک حاجیوں کو پانی پلایا کرتے تھے اور خانہ کعبہ کے متولی بھی تھے اور اُن کو اپنی نیکیوں پر اسلامی فضائل

toobaafoundation.com

کے مقابلے میں فخر تھا۔ اس کے علاوہ مسلمانوں میں بعض اوقات اختلاف ہوا تھا کہ سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ اس پر خدا تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مساجد الٰہی کی تعمیر کرنا مشرکوں کا کام نہیں کیونکہ ان کی جڑ ہی صحیح نہیں پھر عمدہ شاخیں اور اچھے پھل کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ وہ کفر کے مقر اور شرک کے مرتکب ہیں اور مساجد کی تعمیر (خواہ اس صورت سے ہو کہ اُن کی عمارت بنائی جائے اُن کو روشن، صاف اور خوبصورت رکھا جائے) خلوص اور ایمان پر مبنی ہے اور کافروں میں ایمان کی بو بھی نہیں، اس لئے اُن کی ساری نیکیوں کو ان کے کفر نے برباد کر دیا اور ان کے اچھے کام کالعدم ہو گئے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ مساجد کی تعمیر اور اُن کو پر رونق رکھنا تو انہیں لوگوں کا کام ہے جن کے عقائد و اعمال درست ہوں اور دینی امور میں اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے ہوں۔ یہ نیکیاں اُن کو سعادت کا راستہ بتانے والی ہیں اور یقینی اُمید ہے کہ ایسے ہی لوگ صحیح راستے پر ہیں کیا کافروں کا حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو بنانا اُن لوگوں کے فعل کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کو اور روزِ آخرت کو مانتے اور راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں۔ کیا یہ دونوں گروہ برابر ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ جو لوگ اللہ کو مانتے ہیں، راہِ حق میں انھوں نے ترکِ وطن کیا ہے اور مولا کے راستے میں جان و مال سے لگے ہوئے ہیں، اُن کا درجہ کہیں بڑا ہے۔ بس یہی کامیاب و بامراد ہیں۔ انھیں کو اللہ اپنی رحمت و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور انھیں کو دوامی جنت ملے گی۔

تحلیلِ اجزاء

اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ میں تعمیر سے مراد بطور عموم مجاز کے حقیقی عمارت بنانا اور مسجد کو پر رونق رکھنا ہر طور اس کو آباد کرنا ہے۔ بیضاوی نے بیان کیا ہے کہ فرش سے مسجد کو آراستہ رکھنا، چراغ روشن کرنا، ہمیشہ اُس میں یادِ الٰہی کرنا، علم شریعت پڑھنا پڑھانا اور ہر قسم کی دنیوی باتوں سے اُس کو خالی رکھنا سب کچھ تعمیر مسجد کی شاخیں ہیں اور آیت سب کو حاوی ہے۔

لَمْ یَخْشَ اِلَّا اللّٰہَ میں اختیاری خوف کی نفی ہے اور دینی امور میں نہ ڈرنے کی تبلیغ ہے۔ رہا اضطراری خوف مثلاً شیر سے ڈرنا وغیرہ۔ اس کی ممانعت نہیں ہے۔

عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا میں ابن عباسؓ کے نزدیک عَسٰی بمعنی تحقیق ہے۔ یعنی اُن لوگوں کا ہدایت یافتہ ہونا یقینی اور قطعی ہے۔ میرے نزدیک عَسٰی کے لفظ کو استعمال کرنے میں ایک خاص نکتہ ہے۔ اس میں درحقیقت مشرکوں کی طمع کو روکنا اور اُن کو ملامت کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ صحیح عقائد رکھتے ہیں، شرک اور کفر سے اُن کے خیالات پاک ہیں اور اعمال بھی اُن کے درست ہیں۔ نماز پڑھتے، زکوٰۃ دیتے، اور راہِ خدا میں جہاد کرتے ہیں اُن کا حال تو نجاتِ آخرت کے متعلق اُمید کی حد سے آگے نہیں بڑھا۔ پھر تم باوجود مشرک اعمال ہونے کے کس برتے پر اپنے کو نجات یافتہ اور ہدایت یاب سمجھتے ہو۔ عَسٰی کا لفظ استعمال کرنے سے مسلمانوں کو بھی تنبیہ کر دی کہ کبھی اپنے اعمال پر غرور نہ کرنا۔ اللہ کی عظمت و جلال کے مقابلے میں مخلوق کو اپنے پندار و کردار پر غرور کرنا زیبا نہیں بلکہ ہمیشہ اپنی عاجزی اور فروتنی کو پیشِ نظر رکھ کر سربسجود رہنا ہی مناسب ہے۔

اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَۃً الخ چار امور اصلاحِ انسانی کے بنیادی پتھر ہیں۔ عقائد کی درستگی، بدنی فرائض کی ادائیگی، مالی حقوق کی ادائیگی اور چوتھے درجے پر بدنی اور مالی ہر دو قسم کی قربانی۔

اوّل کی طرف خدا تعالیٰ نے مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ سے اشارہ فرمایا۔ دوسرے نمبر کی طرف نماز پڑھنے سے اشارہ کیا۔ تیسرے نمبر کی طرف زکوٰۃ دینے سے۔ چوتھے نمبر کی طرف ہجرت و جہاد کرنے سے۔

حاصل یہ نکلا کہ مسلمان کا عقیدہ بھی درست ہوتا ہے۔ صرف بدنی فرائض ہی ادا کرتا صرف مالی حقوق بھی دیتا ہے اور اُن فرائض کی تکمیل سے بھی پیچھے نہیں ہٹتا جن کو ادا کرنے میں مالی اور بدنی قربانی ادا کرنی پڑتی ہے پھر اس کا کافر سے مقابلہ ہی کیا۔ اس کو اللہ کے ہاں جو اجر و مرتبہ حاصل ہوگا وہ کافر کو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اللہ کی رحمت اسی کے شاملِ حال ہو سکتی ہے۔ اللہ کی خوشنودی اسی کو حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی فوزِ عظیم کا مالک ہے اور یہی اجر جلیل کا مستحق ہے۔

مقصودِ بیان

خواہ مخواہ فخر کرنے کی ممانعت، مساجد کو تعمیر کرنے، اُن کو آراستہ رکھنا اور ہر وقت اُن کو بھرپور رکھنے کی طرف ایماء۔ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لانے کی ترغیب آمیز ہدایت۔ ہجرت اور جہاد پر برانگیختگی۔

toobaafoundation.com

اس امر کی صراحت کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اگرچہ اچھا کام ہے، مگر کافر کی کوئی نیکی مقبول نہیں - اُس کا کفر سب نیکیوں کو برباد کر دیتا ہے۔ اُس کی نیکیاں اُس کو سعادتِ ابدی کا راستہ نہیں بتا سکتیں۔

کافروں کو کبھی فوز اور نجات حاصل نہ ہو گی۔ مسلمانوں سے قیامت کے دن خدا ناخوش نہ ہو گا۔ جنّتِ ابدی چیز ہے۔ کبھی اہلِ جنت کو جنت سے نہیں نکالا جائے گا۔ وغیرہ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

مسلمانو! اپنے باپ بھائیوں کو رفیق نہ بناؤ اگر وہ ایمان کے مقابلہ میں

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ

کفر کو عزیز سمجھیں تم میں سے جو لوگ ان کی رفاقت کریں گے وہی ظالم ہوں گے (اے محمدؐ)

اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ

کہہ دو اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیبیاں تمہاری برادری تمہارا کمایا

اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ

ہوا مال اور وہ تجارت جس کے کساد کا اندیشہ ہو اور وہ مسکونات جن کو تم پسند کرتے ہو تمہارے نزدیک

مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

اللہ اس کے رسول اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوں تو حکمِ خدا آنے تک منتظر رہو

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع ۹

اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا

تفسیر ابن عباسؓ فرماتے ہیں "جب مومنوں کو ہجرت کا حکم دیا گیا تو بعض لوگوں کے بال بچے رونے چلانے اور اپنے سرپرستوں سے پٹنے اور کہنے لگے کہ ہم کو کیوں برباد کرتے ہو، ہماری زندگی کا کیا سہارا ہے؟ اس پر وہ لوگ سست پڑ گئے اور کہنے لگے ہم مجبور ہیں۔ ہجرت کرتے ہیں تو اپنے والدین، بیوی بچے اور تمام اعزا، اقارب سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے، تجارت تباہ ہوتی ہے اور ہم برباد ہوتے ہیں۔ اس لئے وطن چھوڑنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ مقاتل کہتے ہیں تو آدمی مرتد ہو کر کفارِ مکہ سے جا ملے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں ان کے عزیز و اقارب کو ان سے موالات کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسباب نزول جزوی ہوا اعتبار عموم لفظ کا ہے۔ بات صرف یہ تھی کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو مسلمانوں کو بعض اوقات اپنے ماں باپ اعزہ سے لڑنا پڑتا تھا جس سے باتقضائے بشری دل جھجکتا تھا۔ نیز ہجرت کا عمومی حکم ہوا تو اس سے بھی عزیزوں اور بھائی بندوں کو چھوڑنا پڑتا تھا اور تجارت تباہ ہوتی تھی۔ ان حالات کے پیشِ نظر آیاتِ مذکورہ میں تنبیہ کی گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانو! اگر تمہارے بھائی باپ کفر کو پسند کریں تو تم ان سے دوستی قائم نہ رکھو، ورنہ حقانیت سے ہٹ جاؤ گے، اسلام

toobaafoundation.com

کے مقابلے میں کفر کو پسند کرنا بڑی بے جا بات ہوگی۔ اگر تم کو تمہارے اقارب، مال اور تجارت (جس کی تباہی کا تم کو اندیشہ ہے) اور مکانات اللہ سے اور اس کے رسول سے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو ہجرت مت کرو اور دیکھو پھر خدا کیا کرتا ہے یعنی کچھ تمہاری ہجرت اور جہاد پر ہی موقوف نہیں ہے اللہ ویسے بھی اپنے دین کو غالب کر دے گا اور تم دیکھ لوگے اور مکہ فتح ہو جائے گا اور تمام کفار مغلوب ہو جائیں گے اور مسلمان فتح یاب اور مال دار ہو جائیں گے اور پھر تم حسرت کرو گے اور اپنی نافرمانی پر پچھتاؤ گے مگر بے سود ہوگا۔ جنہوں نے نافرمانی کی دل میں ٹھان لی ہو اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔

تحلیلِ اجزاء

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنكُمْ قرآن پاک میں مختلف مقامات میں کافروں کی موالات سے منع فرمایا ہے۔ خواہ باپ بھائی ہوں، لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ معاملات میں بھی موالات منع ہے اور ماں باپ کو نان نفقہ بھی نہ دیا جائے۔ یہ بات آیت سے ستفاد نہیں ہوتی۔ مقصود صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کا دل کافر سے نہ ملا ہو اور وہ کافروں کی طرفداری میں کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس سے اسلام اور مسلمانوں کا نقصان ہو۔ حضرت ابو عبیدہ کے والد جراح نے جب ابو عبیدہ کے سامنے بتوں کی بہت زیادہ تعریف کی اور بیٹے کو بت پرستی کی طرف مائل کرنا چاہا تو ابو عبیدہ نے ان کی تردید کی اور کوشش کی کہ کسی طرح وہ ان کو اسلام سے نہ روکے، مگر اس نے نہ مانا تو ابو عبیدہ نے اپنے باپ کو قتل کر دیا اور اس طور عدم موالات کا اظہار کیا۔

قُلْ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ الخ اس سے مقصد یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور اطاعتِ اسلام کی محبت مسلمان کے دل میں انتہائی درجہ پر ہونی چاہیئے۔ دنیا کا کوئی تعلق خواہ وہ فطری ہو یا غیر فطری مسلمان کو اللہ، رسول اور اسلام کی محبت سے روک نہ سکے، لیکن اس محبت سے مراد اختیاری محبت ہے۔ اضطراری محبت پر انسان مکلف نہیں ہے۔ امام احمد نے یہ روایت عبداللہ ہشام بیان کیا ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے ہم لوگ بھی حاضر تھے۔ عمرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اپنی جان کے آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہ ہوگا جب تک اس کو میری محبت اپنی جان سے زیادہ نہ ہو۔ عمرؓ نے عرض کیا خدا کی قسم یا رسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں عمرؓ اب تم پورے مؤمن ہوئے (رواہ البخاری) صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے دستِ تصرف میں میری جان ہے تم میں سے کوئی مؤمن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کو اس کے والدین اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ میں بعض مفسرین کے نزدیک امر سے عذاب مراد اور جو لوگ مال و اقارب کی محبت میں پھنس کر ہجرت کرنے سے باز رہے تھے اُن کو دنیاوی یا اخروی عذاب کی وعید ہے، لیکن بعض اہلِ تفسیر قائل ہیں کہ ان آیات کا نزول فتح مکہ سے قبل ہوا اور امر سے مراد فتح مکہ ہے اور اللہ ظاہر فرماتا ہے کہ تم یوں ہی منتظر رہو اللہ خود تمہاری امداد و ہجرت کے بعد مسلمانوں کو مکہ پر غالب کر دے گا۔

مقصودِ بیان

کفار سے موالات کرنے کی ممانعت اور کافروں سے اندرونی تعلقات رکھنے کی بازداشت۔ اللہ اور اس کے رسولؐ اور فریضۂ اسلامی کی ادائیگی کی محبت کو تمام دنیا اور دنیوی تعلقات پر ترجیح دینے کی ہدایت۔ اس امر کی صراحت کہ جن لوگوں کو اللہ اور رسول کی محبت سے زیادہ اپنے والدین، اولاد، خاندان اور رشتہ داروں کی محبت ہو وہ نافرمان اور ظالم ہیں یعنی طور پر جہاد و ہجرت کی تبلیغ اور اس بات کی طرف اشارہ کہ عنقریب مسلمان غالب آئیں گے۔ وغیرہ۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

بلاشبہ بہت سے موقعوں پر	اللہ تمہاری مدد	کر چکا ہے	خصوصًا حنین	کے دن	جبکہ تمہاری کثرت نے تم کو مغرور کر دیا تھا	

toobaafoundation.com

فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْـًٔا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم

لیکن وہ کثرت تمہارے کام نہ آئی اور باوجہ فراخ ہونے کے زمین تم پر تنگ ہوگئی اور پیٹھ پھیر کر تم بھاگ

مُّدْبِرِينَ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَ

اُٹھے بالآخر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر اپنی طرف سے سکون نازل کیا اور

أَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿۲۶﴾

فوجیں نازل کیں جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھیں اور کافروں کو خوب سزا دی اور کافروں کی یہی سزا ہے

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۷﴾

اس کے بعد جس کو چاہے خدا توبہ نصیب کرے اور اللہ غفور رحیم ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں جہاد و ہجرت کی ترغیب دی تھی اور آخر میں فرمایا تھا اگر تم جہاد میں شرکت نہ کروگے اور اقربا کی محبت میں پھنسے رہو تو منتظر رہو دیکھو خدا خود اپنا اہتمام کرے گا یعنی مسلمانوں کو فتحیاب کردے گا۔

یہ آیات پہلی آیات سے مربوط ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم شرکت نہ کروگے تو نہ کرو۔ تمہاری اعانت اور تعداد کی کثرت پر موقوف نہیں ہے۔ فتح مکہ کا مدار تو غیبی امداد پر ہے، اگرچہ ظاہری قوت نہ ہو اور ظاہری شان و شوکت اور اعداد کی کثرت کتنی بھی ہو، مگر امداد اللہ کی امداد نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ دیکھو اللہ نے بہت سے معرکوں میں باوجود اسباب کی کمی اور قلت اور تعداد کے تم کو فتحیاب کیا۔ خصوصاً حنین کے دن کا واقعہ یاد کرو جہاں تمہارے پاس بہت کچھ سامان اور بڑا لشکر تھا جس پر تم کو ناز ہوا تھا باوجودیکہ تمہارے مخالف کم تھے، لیکن وہاں تمہاری کثرت تمہارے کام نہ آئی، آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا اور زمین باوجود فراخ ہونے کے تمہارے اُوپر تنگ ہوگئی اور تم پُشت پھیر کر بھاگ پڑے، مگر پھر اللہ نے تمہاری مدد کی غیبی مدد بھیجی۔ تمہارے دلوں میں جرأت پیدا کی، تم کو ثبات قلب عطا کیا، تمہاری اعانت کے لئے فرشتوں کی ایسی فوج نازل کی جو تم کو دکھائی نہ دیتی تھی، جس کے ذریعہ سے کافروں کو سزا دلوائی اور بالآخر تمہاری فتح ہوئی اور پھر اللہ نے توبہ نصیب کی ان مسلمانوں کو بھی جو جنگ سے مُنہ پھیر کر بھاگے تھے اور بعض ان کافروں کو بھی جو اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے تھے۔

حنین، طائف اور مکہ کے درمیان ایک مقام ہے مکہ فتح ہوگیا تو حضورؐ والا نے قبائل ہوازن و ثقیف کی شرارت مٹانے کو شنبہ کے دن ماہ شوال سنہ ۸ھ میں دس بارہ ہزار کی فوج لے کر اُن کی طرف کوچ کیا۔ مسلمانوں کی فوج میں تقریباً دو ہزار نومسلم بھی تھے جو تجربہ کار اور کار آزمودہ نہ تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمان نہ ہوئے تھے صرف اس خیال سے مسلمانوں کے ساتھ ہوگئے تھے کہ کہیں ہوازن کو قریش پر فتح نہ ہو جائے اور اس سے قومی اور خاندانی ذلت ہو۔ ہوازن و ثقیف کو جب حضورؐ کے کوچ کی اطلاع ملی تو وہ کہنے لگے، محمدؐ نے مکہ کو فتح کرلیا۔ وہاں کے لوگ جنگ سے ناآشنا تھے، ہم سے لڑیں تو معلوم ہو جائے۔ اُن کے حملے سے پہلے ہی ہم اُن پر لوٹ پڑیں گے۔ چنانچہ مالک بن عوف امیر ہوازن اور کنانہ بن عبد یالیل نے چار ہزار فوج جمع کی اور مسلمانوں کے راستے میں تیر اندازوں کی جماعت کو پہاڑ کی گھاٹیوں میں چھپا کر بٹھا دیا۔ مسلمانوں کی فوج میں نومسلموں کے دستے آگے تھے جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور انصار و مہاجرین کی جمعیت بہت پیچھے تھی۔ پہلے مقابلے پر ہی کافروں کو شکست ہوئی اور وہ دانستہ پسپا ہوگئے اور مسلمانوں نے اُن کا تعاقب کیا اور مالِ غنیمت پر لوٹ پڑے، جب تیر اندازوں کی زد پر مسلمانوں کی

toobaafoundation.com

فوج آگئی تو انھوں نے ایک دم باڑ ماری اور بھاگتے ہوئے کفار بھی لوٹ پڑے۔ مسلمان اس غیر افتاد سے حواس باختہ ہو گئے اور جدھر کو جس کا منہ اٹھا بھاگ نکلا۔ حضورؐ کے ساتھ سو یا اس سے بھی کم قدیم جان نثار رہ گئے باقی انصار و مہاجرین قریب قریب پیچھے تھے۔ حضورؐ نے حضرت عباسؓ کے ذریعہ انصار و مہاجرین کو آواز دلوائی۔ فوراً سب آکر جمع ہو گئے اور تھوڑی دیر میں بھاگے ہوئے نومسلم بھی اکٹھے ہو گئے۔ ادھر مسلمانوں کی تعداد کو کافروں کی نظر میں زیادہ دکھانے کے لئے بحکم الٰہی فرشتے بھی آگئے۔ حضورؐ نے ایک مٹھی بھر خاک اور کنکریاں کافروں کی طرف پھینکیں جس سے وہ آنکھیں ملتے تھا اور کچھ نہ کچھ سب کی آنکھوں میں جا پڑا اور اس طرح کافروں کو ہزیمت ہوئی۔

تحلیلِ اجزاء

فِیْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سے معرکوں یا ایام حرب میں تمہاری مدد کی۔ صحیح بخاری وغیرہ میں رسول اللہ کے تمام غزوات کی شمار بروایت زید بن ارقم انیس مذکور ہے۔ بریدہ کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ ان میں سے صرف آٹھ غزوات میں جنگ ہوئی۔ بعض کے نزدیک غزوات سرایا اور بعوث سب ملا کر ستر تھے بعض نے اسّی بیان کئے ہیں۔

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ الخ۔ مکہ اور طائف کے درمیان مکہ سے اٹھارہ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے جس کا نام حنین ہے۔ فتح مکہ کے بعد حضور گرامیؐ کو اطلاع ملی کہ قبائل ہوازن نے مسلمانوں سے لڑنے کے لئے لشکر جمع کیا ہے۔ تمام بنو ثقیف اور بنو جشم اور بنو سعد اور بنو ہلال اور بنو عمرو اور بنو عوف اُن کے ساتھ ہیں اور سب لوگوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر عورتوں، بچوں اور تمام ساز و سامان کو ساتھ لے کر معاہدہ کیا تھا کہ کسی طرح میدان سے منہ نہ موڑیں گے حضورؐ کو جب یہ خبر معلوم ہوئی تو بارہ ہزار کی جماعت لے کر آپ بھی روانہ ہو گئے۔ انصار و مہاجرین اور دیگر قبائل دس ہزار تھے اور دو ہزار تھے۔ طلقاء (یعنی فتح مکہ کے دن جن کو حضورؐ نے آزاد کیا تھا) کچھ نومسلم تھے، کچھ دل سے مسلمان بھی نہ ہوئے تھے اور کچھ ویسے ہی شریک ہو گئے تھے تاکہ قبیلۂ قریش کی ہوازن کے مقابلے میں ذلت نہ ہو۔ مسلمانوں کے لشکر کے بعض آدمی کہنے لگے کہ اب مدینہ اور مکہ والے ایک ہو گئے ہیں خوب فتح ہوگی۔ بعض آدمیوں نے کہا قلت تعداد کی وجہ سے جو ہم کو شکست ہوئی تھی وہ اب نہ ہوگی۔ حضورؐ کو یہ دونوں باتیں ناگوار ہوئیں کیونکہ ان سے فخر و تکبر کی بو نکلتی تھی۔ غرض وادی حنین میں پہنچے۔ قوم ہوازن نے اپنے تیر انداز گھاٹیوں میں چھپا دیئے تھے۔ کچھ لوگ سامنے آئے۔ مسلمان سواروں نے اُن پر حملہ کر دیا وہ فوراً اپنا مال اسباب چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ حملہ کرنے والے نومسلم تھے۔ صحابہ اور انصار بہت پیچھے تھے اس وقت تک نہیں پہنچے تھے۔ کافروں کو بھاگتا دیکھ کر فوراً مال پر ٹوٹ پڑے۔ چند تجربہ کار آدمیوں نے منع بھی کیا مگر یہ نہ مانے۔ قوم ہوازن کے تیر اندازوں نے موقع کو مناسب سمجھ کر گھاٹیوں میں تیر برسانے شروع کئے۔ مسلمانوں میں بھگدڑ پڑ گئی اور ایسے بھاگے کہ بعض نے تو مکہ پہنچ کر دم لیا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم رہے۔ اس روز حضور سفید خچر پر سوار تھے صحیحین میں براء بن عازب کی روایت ہے کہ حضور کے سفید خچر کی لگام ابو سفیان پکڑے ہوئے تھے اور عباسؓ لگام تھامے تھے۔ حضورؐ کے ساتھ تقریباً سو صحابی ثابت قدم رہے۔ جن میں ابوبکرؓ، عمرؓ، عباسؓ، فضل بن عباس، علی، اسامہ بن زید، براء بن عازب اور ابن مسعود بھی تھے۔ حضورؐ اس وقت فرما رہے تھے۔ اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ ۔ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ اور لوگوں کو پکار پکار کر کہہ رہے تھے اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ۔ خدا کے بندو! میری طرف آؤ! اس کے بعد آپ نے عباس کو حکم دیا کہ اصحاب الشجرہ یعنی بیعت رضوان والوں کو پکارو۔ حضرت عباسؓ نے آواز دینی شروع کی۔ لوگوں نے فوراً لبیک کہی اور حضورؐ کی طرف بڑھے۔ ابن جریر نے بروایت عبد الرحمن بیان کیا ہے کہ ایک شخص جو اُس روز مشرکوں کا ساتھی تھا ہم سے بیان کرتا تھا کہ جب ہمارا مقابلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں سے ہوا تو وہ اتنی دیر بھی نہ ٹھہرے جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے۔ ہم نے اُن کو بھگا دیا۔ یہاں تک کہ ہم رسول اللہؐ کے قریب پہنچ گئے۔ آپؐ سفید خچر پر سوار تھے اور آپ کے آس پاس گورے گورے خوبصورت لوگ موجود تھے۔ رسول اللہؐ نے ہم لوگوں کی طرف جھڑک کر فرمایا۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ارْجِعُوْا تمہارے چہرے ذلیل ہوں لوٹ جاؤ۔ یہ الفاظ سن کر ہم نے فوراً بھاگنا شروع کیا اور وہ لوگ ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے۔ جب عباس کی آواز سے لوگ لوٹے تو تیزی کے ساتھ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے یہاں تک کہ اگر کسی کا اونٹ تیزی سے نہ بڑھا تو وہ زرہ پھینک کر اونٹ پر سے کود پڑا اور دوڑتا ہوا خدمت میں حاضر ہو گیا۔ امام احمد نے روایت کی ہے کہ پھر شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر حضورؐ نے ایک مشت خاک کافروں پر پھینک ماری اور مشرکین بھاگے۔ عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں حضورؐ نے ایک مٹھی خاک لے کر مشرکوں پر ماری اور فرمایا۔ شَاهَتِ الْوُجُوْهُ اِنْهَزَمُوْا وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ۔ پہلے تو اسی

toobaafoundation.com

قسم ہے رب کعبہ کی اب بھاگے۔ مٹھی بھر خاک پھینکنا تھی کہ کافروں کی آنکھیں اور منہ ریت اور کنکریوں سے بھر گئے اور وہ بھاگ نکلے۔

ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ۔ جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اہل نفاق اور بعض مذبذب لوگوں نے کہا جادو اب زائل ہو گیا، جادو ختم ہو گیا، شکست مکّہ تک نہیں رکتی۔

وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ مومنین سے مراد ابن مسعود کے نزدیک وہ اسّی مسلمان ہیں جو حضورؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے تھے۔ میدان سے منہ نہ موڑا تھا۔

وَأَنزَلَ جُنُودًا الخ۔ حنین کے معرکے کے دن خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے فرشتوں کو بھیجا تھا، مگر فرشتے لڑے نہ تھے اور نہ مسلمانوں کو نظر آتے تھے صرف کافروں کو دکھائی دیتے تھے۔ شیبہ بن عثمان جو فتح مکّہ کے نومسلموں میں سے تھے کہتے ہیں کہ میں رسول اللہؐ کے ساتھ جنگ حنین کے لئے نکلا تھا۔ گو اسلام کی وجہ سے نہیں نکلا تھا بلکہ صرف اس حمیت کی وجہ سے گیا تھا کہ کہیں ہوازن قریش پر غالب نہ ہو جائیں۔ میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے ابلق گھوڑوں پر کچھ سوار نظر آ رہے ہیں۔" فرمایا "شیبہ ان کو سوائے کافر کے کوئی نہیں دیکھتا ہے۔" پھر میرے سینہ پر دست مبارک مار کر تین مرتبہ فرمایا "الٰہی شیبہ کو ہدایت فرما۔" تیسری مرتبہ حضورؐ نے مذکورہ قول ختم نہ کیا تھا کہ میری عجیب کیفیت ہو گئی۔ حضورؐ سے زیادہ محبوب کل مخلوق میں مجھے کوئی نظر ہی نہ آتا تھا۔ جبیر بن مطعم کہتے ہیں "میں جنگ حنین میں حضورؐ کے ساتھ تھا۔ لوگ لڑ رہے تھے اچانک میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ کمل آسمان سے زمین پر مؤمنوں اور مشرکوں کے درمیان گری اور اس سے اتنی چیونٹیاں نکلیں جن سے تمام وادی بھر گئی اور فوراً مشرکوں نے بھاگنا شروع کیا ہم کو یقین ہو گیا کہ وہ ملائکہ تھے (رواہ ابن اسحاق)

وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا عذاب سے مراد قتل اور قید ہونا اور مال کا لوٹا جانا ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کو ملا کر کل چھ ہزار قیدی تھے اور مالِ غنیمت اتنا ملا کہ کبھی اتنا نہ ملا تھا۔ صرف اونٹ بارہ ہزار تھے، اور بکریوں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ الخ۔ اس سے مراد قبیلۂ ہوازن کا مسلمان ہونا ہے۔ جب ہوازن والوں کو شکست ہوئی تو جو لوگ مارے گئے۔ مارے گئے اور جو گرفتار ہو گئے وہ گرفتار ہو گئے باقی سب کے سب مسلمان ہو گئے اور جنگ سے بیس روز کے بعد خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ اس وقت مکّہ کے قریب بمقام جعرانہ مقیم تھے۔ ہوازن والوں نے اپنے قیدیوں کی رہائی اور مالِ غنیمت کی واپسی کی درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا "دونوں میں سے ایک چیز پسند کر لو۔" انھوں نے قیدیوں کو آزاد کر دیا۔ مجاہدین کو مالِ غنیمت تقسیم کر دیا۔ مکّہ کے نومسلموں میں سے بعض کو تالیفِ قلب کے لئے سَو سَو اونٹ دیے۔ قبیلۂ ہوازن کے سردار مالک بن عوف نضری کو بھی سَو اونٹ دیے اور اس نے حضورؐ کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ کہا۔

مقصود بیان

اسباب ظاہری پر نظر رکھنا اور اپنی طاقت پر ناز کرنا ناجائز ہے۔ ظاہری اسباب مؤثر نہیں۔ مؤثر درحقیقت غیبی طاقت ہے۔ اللہ اپنے خاص بندوں کی اعانت فرماتا ہے اور سخت مواقع میں ان کے دلوں میں جرأت، ایمان میں استقلال عطا فرما دیتا ہے۔ جنگ حنین میں ابتداءً مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی اور صرف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ ان میں سے بعض لوگوں کو اپنی کثرت پر ناز تھا۔ آخر میں غیبی لشکر خدا تعالیٰ نے نازل کیا جو مسلمانوں نہیں دکھائی دیا۔ جنگ حنین سے بھاگے ہوئے مسلمانوں اور ہزیمت خوردہ کافروں کی توبہ خدا تعالیٰ نے قبول فرمائی وغیرہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

مسلمانو! مشرک نرے ناپاک ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام کے

بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ

پاس بھی نہ جائیں اور اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو عنقریب اگر خدا چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے دولتمند

إِن شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○

کر دے گا بالیقین اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

toobaafoundation.com

تفسیر

ان آیات میں خدا تعالیٰ مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ اس سال کے بعد مشرکین مسجد حرام کے پاس بھی نہ آنے پائیں اندر داخل ہونا تو بجائے خود ہے کیونکہ یہ ناپاک اور گندے ہیں اور اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ ان کے آنے اور سالانہ میلہ لگانے سے تجارت کو فروغ ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ آئیں گے تو تجارت تباہ ہو جائے گی، ہماری ضرورتیں پوری نہ ہوں گی اور ہم تباہ ہو جائیں گے تو اس بات کا اندیشہ نہ کرو۔ اللہ اگر چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو غنی بنا دے گا۔ فقر دور کر دے گا۔ اس کے علم و حکمت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ وہ اپنے اس حکم کی مصلحت اور فوائد خوب جانتا ہے اور تمہارے افلاس کو دور کرنے کے جو طریقے اُس نے مقرر کر رکھے ہیں اُن سے بھی بخوبی واقف ہے۔ لہٰذا تم بے چون و چرا اس کے حکم کی تعمیل کرو اور کچھ اندیشہ نہ کرو۔

یہاں تین امور قابلِ تحقیق ہیں۔ مشرکوں کی نجاست کے کیا معنی ہیں! مسجد حرام سے کیا مراد ہے اور مسلمانوں کو غنی بنا دینے کا کیا مطلب ہے؟

(۱) ابن عباسؓ اور حسن بصریؒ مشرکین کے نجس عینی ہونے کے قائل ہیں اور کہتے کہ سردارانِ مشرکین کتّے اور سوّر کی طرح ہیں۔ ظاہریہ اور خصوصاً امامیہ فرقہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ لیکن جمہور اسلام اور مذاہب اربعہ کے نزدیک مشرکین کی نجاست ظاہری نہیں۔ کیونکہ رسول پاکؐ نے اُن کا کھانا پینا مسلمانوں کے لئے پاک قرار دیا۔ اُن کے برتنوں میں کھایا بلکہ ایک یہودیہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا (جس میں اُس نے زہر ملا دیا تھا) نوش فرمایا۔ ثمامہ بن اثال کو مسجد کے اندر ستون سے باندھا۔ وفد ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا۔ مشرکوں کی نجاست درحقیقت اعتقادی ہے۔ کفر و شرک نے اُن کے عقائد کو ناپاک کر دیا ہے اور اگر نجاست ظاہری کہا ہے بھی تو بقول قتادہ و دیگر یہ مطلب ہوگا کہ مشرکوں کی باطنی خباثت و نجاست اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ گویا ان کا ظاہر بھی نجس ہو گیا۔

(۲) مسجدِ حرام کا اطلاق خانۂ کعبہ پر بھی آتا ہے اور پورے حرم پر بھی۔ ابن عباس، عطاء، سعید بن جبیر، مجاہد اور امام شافعیؒ کے نزدیک پورا حرم مراد ہے۔ یعنی بغیر امام کی اجازت کے مشرکوں کا حرم میں داخلہ ممنوع ہے۔ عام اہلِ علم کے نزدیک خاص کعبہ مراد ہے۔ بیضاوی نے امام ابو حنیفہؒ کا قول اس سے بھی اخص ذکر کیا ہے۔ امام صاحب کے نزدیک مسجدِ حرام میں داخلۂ مشرکین کا مطلب یہ ہے کہ حج و عمرہ کے لئے نہ جائیں۔ صاحب کمالین نے کسی قدر تعمیم کی ہے اور کہا ہے کہ امام کا مسلک یہ ہے کہ مشرکین کعبے کے اندر زور و غلبہ کے ساتھ نہ جائیں۔ بغرض حج و عمرہ جائیں۔ نہ ننگے طواف کرنے کے لئے جائیں۔ جابر بن عبداللہ صحابیؓ نے حکمِ ممانعت سے مشرک غلام اور ذمی کافروں کو مستثنیٰ کر لیا ہے۔ یعنی اگر مسلمان کا خادم کوئی مشرک ہو یا کوئی کافر ذمی ہو تو اس کا داخلہ جائز ہے۔ یہ قول امام صاحب کے مسلک کی تاکید کرتا ہے۔

مشرکین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک عام کفار مراد ہیں۔ خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مجوسی یا بُت پرست وغیرہ۔ شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ اوزاعی نے ذکر کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام عمّال کو لکھ بھیجا تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں میں یہود و نصاریٰ نہ داخل ہوں۔ اس حکم کے بعد آیت مذکورہ نکلی تھی۔ رہی یہ بات کہ کعبہ کے علاوہ دیگر مساجد کا کیا حکم ہے؟ تو علماء مدینہ عام مسجدوں میں داخلۂ کفار کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ عمر بن عبدالعزیز کے قول سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ امام مالک بھی اسی کے قائل ہیں۔ لیکن شافعی اور ابو حنیفہ کے نزدیک دیگر مساجد میں بضرورت کافروں کا داخل ہونا جائز ہے۔

(۳) آیت میں حکم ہوا کہ اگر اللہ چاہے گا تو تم کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ اگر کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ تم کو اللہ ہی کی طرف نظر رکھنی چاہیے۔ اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو نہ کسی سے آس لگاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آئندہ سال یعنی ۱۰ھ میں مشرک حج کو نہ آئے۔ مسلمانوں کو تجارتی نقصان ہوا۔ ادھر اللہ نے بارش برسا دی جس سے غلّہ کی پیداوار بہت زیادہ ہوئی۔ یمن اور دیگر بلادِ اسلامیہ سے رسد کا سامان بکثرت آیا۔ پھر رفتہ رفتہ تھوڑی ہی مدت میں شام، روم، ایران اور دیگر ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئے۔

مقصودِ بیان کفار کے نجس ہونے کی صراحت۔ داخلۂ حرم کی ممانعت۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ ان کا زور ٹوٹ گیا۔ آئندہ ان کو اتنی طاقت ہی نہ ہوگی کہ کعبہ میں بارادہ حج و طواف یا بغلبۂ قوت داخل ہو سکیں۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنے اور کفیل کار جاننے کی تلقین اور اسی سے اپنی اُمیدیں وابستہ رکھنے کی ہدایت وغیرہ۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

جو اہلِ کتاب اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اور اُن چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے جن کو

toobaafoundation.com

اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى

اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام قرار دیا ہے اور سچا دین قبول نہیں کرتے اُن سے لڑو تاوقتیکہ ذلیل ہو کر

يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُونَ ۝

اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں

تفسیر اوپر کی آیت میں مشرکوں کی حالت کا بیان اور ان کا حکم مذکور تھا، اب اہلِ کتاب کی طرف رجوع فرماتا ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ ان آیات میں اہلِ روم پر جہاد کرنے کا حکم ہے۔ اسی کے بعد حضورؐ نے غزوہ تبوک کے لئے سفر کیا۔ کلبی کے قول کے مطابق بنی قریظہ اور بنی نضیر کے یہودیوں سے جہاد کرنے کا حکم ہوا، لیکن آیت میں عموم ہے کوئی تخصیص نہیں۔ اہلِ کتاب سے مراد آیت میں فقط یہودی اور عیسائی ہیں۔ اگرچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے مجوسیوں کے متعلق حضرت عمرؓ سے کہا کہ حضور اقدسؐ کا فرمان ہے۔ سنوا بهم سنة اهل الكتب ان کے ساتھ اہلِ کتاب کا برتاؤ کرو۔

آیت میں اہلِ کتاب کے علماء چار قبیح اوصاف بیان کئے گئے۔ اُن کا اللہ پر ایمان نہیں۔ روزِ قیامت کو نہیں مانتے۔ اللہ اور اس کے رسولؐ نے جن چیزوں کو حرام کر دیا ان کو حرام نہیں سمجھتے۔ دینِ حق کی پیروی نہیں کرتے۔

ان قبیح اوصاف کی وجہ سے اللہ نے ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا تاکہ ذلت کے ساتھ ٹیکس ادا کریں اور مسلمانوں کی پُرامن رعایا بن کر رہیں یا مسلمان ہو جائیں۔

ہم تحلیل اجزاء اور تحقیق بحث جدا جدا کرتے ہیں۔

(۱) اہلِ کتاب کا اللہ پر ایمان نہیں۔ بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب تو خدا کو مانتے تھے۔ ابن کثیر نے یہ مطلب بیان کیا کہ ایمان لانا اس بات پر موقوف ہے کہ کسی نبی کو سچا جانیں اور کسی نبی کو سچا جاننے کے یہ معنی ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سچا جانیں کیونکہ ہر نبی نے حضورؐ کے متعلق بشارت صراحۃً دی ہے۔ پس اگر کسی نبی پر ایمان ہوتا تو ضرور محمد رسول اللہؐ کی تصدیق کرتے۔ معلوم ہوا کہ کسی نبی کو نہیں مانتے اپنی اپنی رائے پر چلتے ہیں اور خود اختراع کئے ہوئے صفاتِ خدا تعالیٰ میں مانتے ہیں۔ باری تعالیٰ میں مختلف عیوب و نقائص ثابت کرتے ہیں گویا اس خدا کو نہیں مانتے جو تمام عیوب سے پاک ہے۔ بلکہ عیب دار فرضی خدا کو مانتے ہیں۔ مفسر جلال نے بھی ایسا ہی مطلب بیان کیا ہے۔

(۲) روزِ آخرت پر ان کا ایمان نہیں۔ اگرچہ روزِ قیامت کو ماننے کے مدعی ہیں، مگر درحقیقت قائل نہیں۔ ان کی قیامت بھی خیالی ہے نہ اس میں ان سے حساب کتاب ہوگا نہ یہ مثلِ جسم کے جنت میں جائیں گے۔ بعض لوگوں نے اس سے بہتر توجیہ کی ہے کہ قیامت اس دن کا نام ہے جس میں انسان کا جسمانی حشر ہوگا، لیکن اہلِ کتاب کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن بلکہ ہر شخص کے مرنے کے بعد اس کا روحانی حشر ہوتا ہے۔ یعنی اس کی رُوح کو غیر مادّی رنج و راحت اور تکلیف و مسرت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کو تجرد کی ذلت اور افتراقِ مادہ کا عذاب ہوتا ہے نہ جنت میں کوئی مادّی چیز ہے وغیرہ۔ ایسی قیامت کو ماننا اصل نہ ماننے کے ہے۔

(۳) اللہ اور اس کے پیغمبر نے جن چیزوں کو حرام کر دیا اُن کو حرام نہیں سمجھتے۔ مثلاً اللہ نے یہودیوں پر چربی کھانا حرام کر دیا تھا، مگر وہ پگھلا کر فروخت کرکے اس کی قیمت کھایا کرتے تھے۔ احکامِ الٰہی کا اخفاء ممنوع تھا، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بشارتیں مذکور تھیں ان کو چھپاتے تھے۔ رشوت خوری اور تحریفِ کتاب کی ممانعت تھی، مگر علماء نذر و نیاز اور تحفے تحائف کی صورت میں برابر رشوت لیتے اور اس کو حلال سمجھتے تھے اور کتاب میں برابر تحریف کرتے تھے۔ چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں کا جب مقابلہ کیا گیا تو کئی لاکھ جگہ باہم فرق نکلا۔ پادری فنڈر نے اس کا خود اقرار کیا ہے اور اظہار عیسوی میں اس کی بحث مفصل موجود ہے۔

(۴) دین کی پیروی نہیں کرتے یعنی اسلام کو حق نہیں جانتے اور اپنے اپنے مذہب کو ناقابلِ منسوخ خیال کرتے ہیں۔ عیسائی اور یہودی ہر دو فرقہ اس کے

toobaafoundation.com

چکی ہیں۔ باوجود کہ بہت سے احکام یہودیوں کو منسوخ ماننا پڑتا ہے۔ مثلاً عیسائی توریت کو عہد عتیق اور انجیل کو عہد جدید جانتے ہیں اور احکام توریت کے وجوب کے قائل ہیں اور توریت میں حکم جہاد بڑی قوت کے ساتھ موجود ہے۔ حالانکہ انجیل تو لڑائی کو بھی منع کرتی ہے۔ اس کے باوجود بہت سے عیسائی مسلمانوں کے حکم جہاد پر اعتراض کرتے ہیں۔ یہ تمام اہل کتاب کے مشترک قبائح تھے۔

یہاں ارشاد یہ ہے کہ اہل کتاب سے لڑو کیوں کہ یہ خدا کو مانتے ہیں نہ روزِ قیامت کو نہ اللہ اور اس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیز کو حرام جانتے ہیں۔ نہ دینِ حق کے پیرو ہیں اس وقت تک ان سے جہاد جاری رکھو کہ ذلت کے ساتھ ماتحت ہو کر یہ جزیہ ادا کرنے لگیں۔

جزیہ کی مقدار میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ عطاء، یحییٰ بن آدم، ابوعبید اور ابن جریر کہتے ہیں کہ شریعت نے جزیہ کی کوئی حد مقرر نہیں کی جیسا مناسب ہو وصول کیا جائے۔ لیکن ابن جریر کے نزدیک ایک دینار فی کس سونا مقرر ہے۔ حضور والا نے اہل یمن و بحرین سے جو جزیہ لیا تھا۔ اس کی کوئی خاص مقدار معین نہیں فرمائی تھی لیکن شافعیؒ کے نزدیک اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعلیٰ حیثیت والے سے ۴۸ درہم متوسط سے ۲۴ درہم اور ادنیٰ حیثیت والے سے ۱۲ درہم لئے جائیں۔

جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے؟ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں "مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا جا سکتا یا ان کو مسلمان ہونا چاہیے ورنہ جلا وطن۔ البتہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ باقی بیرونِ عرب ہر کافر ذمی سے جزیہ قابل قبول ہے۔ شافعیؒ کے نزدیک عرب اور بیرون عرب سوائے اہل کتاب کے کسی سے جزیہ قبول نہیں کیا جا سکتا تھا۔ امام مالک کے نزدیک تمام اصناف کفار سے جزیہ لیا جائے خواہ وہ مشرک ہوں یا کتابی اور عرب کے رہنے والے ہوں یا بیرونِ عرب۔

مقصودِ بیان

اہل کتاب سے جہاد کرنا فرض ہے۔ اہل کتاب نہ قیامت کو مانتے ہیں نہ خدا کو نہ محرماتِ الٰہیہ کے تابع ہیں۔ نہ دینِ حق کے پیرو ہیں۔ اللہ کو اس کے صفاتِ کمالیہ کے ساتھ نہ ماننا گویا عدمِ ایمان کے برابر ہے۔ تمام اہل کتاب سے سالانہ ٹیکس اور خراج لینے کی شرط پر معاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جزیہ کا تقرر اس وقت ہوگا جب کافروں کو شرائط معاہدہ کی رُو سے دبا کر صلح کی جائے۔ کوئی عالم یا پیر محرم و محلل نہیں ہو سکتا۔ تحریم و تحلیل صرف اللہ کا کام ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر خدا کا بیٹا تھا اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح ابن اللہ تھا

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِئُوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ

یہ اُن کی اپنی زبانی باتیں ہیں یہ بھی پہلے کافروں کے قول کی ریس کرنے لگے

قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ○ اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا

اُن کو خدا غارت کرے کہاں پھرے جا رہے ہیں انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء و مشائخ اور

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اِلٰهًا

ابن مریم کو خدا بنا لیا حالانکہ اُن کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ ایک اللہ کی پرستش

toobaafoundation.com

وَاحِدًا ۚ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○

کریں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ان کی شرک انگیزیوں سے خدا پاک ہے

تفسیر اب بتلاتے ہیں کہ یہودیوں کے مشرکانہ صفات تھے اس آیت میں ہر ایک کی حالت الگ الگ بیان کی ہے۔ دیگر مشرکین کی ریس میں یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ یہودیوں نے اپنے علماء کو اور عیسائیوں نے اپنے پادریوں کو اور مشائخ کو خدا بنا رکھا ہے۔ اب ان کا جواب سنئے۔

(۱) دوسرے مشرکوں کی ریس میں یہودی عزیر کو اور عیسائی مسیح کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں یعنی جس طرح بعض مشرکین نے ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دیا۔ بعض نے دیوتاؤں کو بھی الوہیت سمجھا۔ کسی نے کسی طرح شرک کیا اور کسی نے کسی طرح۔ اہل خدا نے خدا کے بیٹے قرار دے لئے۔ بظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عام یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا، مگر راجح یہ ہے کہ بعض یہودی اس کے قائل تھے۔ بعض کے قول کو کل پر محمول کر دیا کیونکہ باقی نے اس کی تردید نہیں کی۔ مدینے کے بعض یہودیوں نے حضورؐ سے یہ بات کہی تھی اور ممکن ہے کہ نجران کے عیسائیوں سے مناظرہ کرتے وقت ایسا کہا ہو۔ رہے عیسائی تو ان کے تو اکثر فرقے ابوت و بنوت کے قائل ہیں۔ سدی وغیرہ علماء نے عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب عمالقہ نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور علماء، رؤساء کو قید کیا اور توریت کے نسخے بھی جلا کر تلف کر ڈالے تو حضرت عزیر کو اس کا بڑا رنج ہوا۔ آپ جنگل کو نکل گئے اور مسلسل روتے پھرے، یہاں تک کہ پلکیں جھڑ گئیں۔ اتفاقاً کسی قبر پر کوئی بڑھیا دعا کرتی دکھائی دی جو کہہ رہی تھی ہائے میرا کھانا کپڑا دینے والا! عزیر نے کہا "تجھے کھانا کپڑا کون دیتا تھا؟" بڑھیا نے کہا "اللہ"۔ عزیر نے کہا "وہ تو حی و قیوم ہے تو روتی کیوں ہے؟" بڑھیا نے کہا "پھر وہی علم و کتاب دینے والا ہے تم کیوں روتے ہو؟" اس پر عزیر متبسم ہوئے۔ حکم الٰہی ہوا "فلاں چشمہ پر جاؤ، وہاں ایک بوڑھا آدمی ملے گا"۔ عزیر نے حکم کی تعمیل کی۔ اس بوڑھے نے عزیر کے منہ میں کوئی سرخ چیز ڈال دی جس سے آپ کو پوری توریت حفظ ہو گئی۔ واپس آئے اور توریت حفظ سنائی تو علماء نے جا بجا سے نسخے توریت کے نکالے جو پہاڑوں میں دفن کر کے عمالقہ کے ہاتھوں سے بچائے گئے تھے۔ عزیر کی یاد کا اُن نسخوں سے مقابلہ کیا تو صحیح پایا۔ اس سے بعض جاہل عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ آیت اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ میں حضرت عزیر ہی مراد ہیں۔ جب آپ سو برس کے بعد مر کر زندہ ہو کر اپنی قوم میں پہنچے تو لوگوں کو اچنبا ہوا، کوئی پہچان بھی نہ سکا اور بالآخر جب قرائن شواہد اور دلائل سے یقین ہوا تو بعض بے وقوف ابن اللہ کہنے لگے۔ رہی نصاریٰ کے عقیدے کی بناء تو وہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے، شیر خوارگی کی حالت میں کلام کیا اور ماں کی عصمت کی گواہی دی اور تبلیغ رسالت کی، پھر بڑے ہو کر مُردوں کو زندہ کیا، پرندوں میں روح پھونکی، بیماروں کو یکدم تندرست کر دیا اور خود شادی بھی نہ کی۔ اس کے علاوہ حضرت عیسیٰ نے بار بار اللہ کو اَب یعنی باپ کا لفظ کہہ کر خطاب کیا اور مختلف دعاؤں میں یہ لفظ بولا۔ اگرچہ آپ کا مقصود صرف محاورہ تھا تعلیم الٰہی تھی، مگر عیسائی عام طور پر خدا کا بیٹا کہنے لگے۔

(۲) انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو ارباب بنا رکھا ہے اور اللہ کو چھوڑ دیا ہے یعنی اپنے علماء کو محرم اور محلل اور خدائی اوصاف کا مالک سمجھ لیا۔ اگر ان کے مشائخ و احبار اللہ کی کتاب کے حکم کے خلاف بھی حکم دیتے ہیں تو وہ اس کو حق سمجھ کر فوراً تعمیل کرتے ہیں۔

حضرت عدی بن حاتم طائیؓ کہتے ہیں کہ مجھے حضورؐ کی بعثت کی خبر پہنچی تو میں ملک شام کو بھاگ گیا۔ مدت کے بعد میری بہن قبیلۂ بنی عنتر کے ساتھ گرفتار ہو کر خدمت اقدس میں پہنچی۔ آپ نے حاتم طائی کی جود و سخا کو پسند کرتے ہوئے اس کو آزاد کر دیا اور اس کی سفارش سے تمام قوم کو بھی رہا کر دیا۔ وہ چھوٹ کر میرے پاس آئی اور اسلام کی خوبیاں حضورؐ کے اخلاق اور معدلت گستری ظاہر کر کے مجھے مسلمان ہونے کی ترغیب دی۔ میں چل کر مدینے آیا۔ لوگوں میں میری آمد کا چرچا ہو گیا۔ اس وقت میری گردن میں چاندی کی صلیب پڑی تھی۔ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضورؐ نے یہ آیت پڑھی۔ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ میں نے عرض کیا انہوں نے رب تو نہیں بنایا اور علماء و مشائخ کی وہ پرستش تو نہیں کرتے۔ فرمایا "اے عدی بیشک! ان کے علماء و مشائخ نے جو کچھ حرام کیا اس کو حرام مان لیا اور جس چیز کو حلال کہا اس کو حلال سمجھ لیا۔ یہی تو ان کی پرستش تھی"۔ اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا "عدی اللہ اکبر کہنے میں تیرا کیا حرج ہے؟ کیا تجھے اللہ سے بڑی کوئی اور چیز معلوم ہوتی ہے؟ تجھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے کہنے میں کیا خرابی نظر آتی ہے؟ کیا اللہ کے

toobaafoundation.com

سوا کسی اور کو بھی معبود جانتا ہے؟ پھر مجھے اسلام کی دعوت دی اور میں سچے دل سے مسلمان ہوگیا الخ۔ ایک روایت میں حدیث کے آخر میں اتنا اور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا "واضح رہے کہ وہ لوگ مشائخ و علماء کی عبادت بطور سجدہ وغیرہ کے نہیں کرتے تھے بلکہ بات یہ تھی کہ احبار و رہبان کسی چیز کو حلال کر دیتے تو اس کو حلال جانتے اور جس کو حرام کر دیتے اس کو حرام سمجھتے (رواہ احمد وابن جریر وابن مردویہ وابن ابی حاتم وابوالشیخ وابن المنذر وابن حمید والترمذی والبیہقی) امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ہمارے شیخ فرماتے ہیں میں نے فقہاء کے مقلد بکثرت ایسے دیکھے ہیں کہ بعض مسائل میں میں نے ان کو بہت آیات سنائیں۔ حالانکہ ان کا مذہب ان آیات کے خلاف تھا، اس لئے انھوں نے ان آیات کو قبول نہ کیا بلکہ اپنے فقہاء مجتہدین ہی کا قول مانا اور میری طرف تعجب کی نظر سے دیکھتے رہے۔ اگر تم غور کرو گے تو تم کو نظر آئے گا کہ بہت سے دنیا داروں میں بیماری پھیلی ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسلام میں بھی جو لوگ اپنے مشائخ و ائمہ کو محلل و محرم یا قاضی الحاجات جانتے ہیں اور ان کی خلاف شریعت باتوں کو بھی مانتے ہیں وہ بھی اِتَّخَذُوْٓا الخ کی وعید میں داخل ہیں۔ ہاں مجتہدین کے ان فتووں کو ماننے والے جو کتاب و سنت سے استنباط کئے گئے ہوں اس میں داخل نہیں ہو سکتے بلکہ ایسے مسائل میں اتباع مجتہد بعینہٖ اتباع قرآن ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یہود عزیرؑ کو عیسائی مسیحؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور اپنی زبانی باتیں بناتے ہیں۔ یہ درحقیقت گزشتہ کافروں کی ریس کرتے ہیں۔ ان کو خدا غارت کرے کہاں بہکے جا رہے ہیں۔ خلاف عقل و نقل بات پر اڑ گئے۔ پھر ان لوگوں نے اور بھی ستم ڈھایا۔ یہودیوں نے اپنے علماء کو اور عیسائیوں نے اپنے مشائخ کو خدا بنا رکھا ہے۔ حالاں کہ ان کو صرف ایک معبود کی پرستش کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر انھوں نے بکثرت معبود بنا لئے۔ اللہ ان کی شرکیہ انگیزیوں سے پاک ہے۔

مقصود بیان
آیت میں مسلمانوں کو ضمنی تنبیہ ہے کہ کسی پیشوا کی تعظیم اللہ کی طرح کرنا، ان کے افعال و اقوال کو اگرچہ وہ قرآن و حدیث کے خلاف ہوں تسلیم کرنا اور واجب العمل قرار دینا سخت ترین گمراہی اور شرک ہے گویا کورانہ تقلید حرام ہے۔ کتنا ہی بڑا امام اور صاحب معرفت شیخ ہو، مگر اس کا قول یا فعل خلاف کتاب و سنت ہو تو واجب الترک ہے۔ آیات سے مستنبط ہوتا ہے کہ کتاب و سنت کا نسخ نہ اجماع سے ہو سکتا ہے قیاس مجتہد سے نہ مجتہد کا اختراع کیا ہوا مسئلہ اگر اس کی اصل نہ ہو قابل قبول ہے۔

يُرِيدُونَ	أَنْ يُطْفِئُوا	نُورَ اللَّهِ	بِأَفْوَاهِهِمْ	وَيَأْبَى اللَّهُ	إِلَّا أَنْ	يُتِمَّ	نُورَهُ		
یہ	بجھانا	اللہ کے نور کو	اپنی پھونک سے	اور اللہ اپنے	چاہتے ہیں	نور کو ضرور	پورا کرکے	رہے گا	

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

اگرچہ کافروں کو ناگوار ہو۔ اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۝

تاکہ ہر دین پر اس کو غالب کردے خواہ مشرکوں کو برا لگے

تفسیر
اوپر کی آیات میں یہود و نصاریٰ کی گمراہی کا بیان تین طرح کیا گیا تھا۔ دین حق پر نہیں چلتے انھوں نے مخلوق و خالق میں ابوت و بنوت کا رشتہ قائم رکھا ہے۔ اپنے علماء و مشائخ کو خدائی کا مجاز بنا رکھا ہے گویا اہل کتاب متواتر تہ بہ تہ تین تاریکیوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور کسی طرح اندھیرے سے متوفق نہیں پاتے۔ اب فرماتا ہے کہ ان میں فقط یہی خرابی نہیں کہ وہ خود تاریکی میں ہیں بلکہ اللہ کے آفتاب ہدایت کے چراغ کو اپنی پھونکوں سے بجھانا اور دوسرے لوگوں کو بھی تاریکی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ خود گمراہ ہیں دوسروں کو بھی گمراہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اللہ نے ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح

toobaafoundation.com

کے لئے جو قرآن نازل کیا اور رسول کو بھیجا اور رسول نے ان کو دعوت دی تو اس سے سرتابی کرتے ہیں بلکہ جھوٹ بہتان اور افترا باندھتے ہیں اور طرح طرح کی فضول باتیں کرتے ہیں تاکہ دین حق نہ پھیلے۔ مسلمانوں کو غلبہ و شوکت نہ نصیب ہو، مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی روشنی بھرات عالم میں پوری طرح پھیلا کر رہے گا۔ شان اسلامی مشرق و مغرب میں جلوہ گر ہوگی۔ خواہ ان کافروں کو ناگوار ہی ہو۔ اللہ نے اپنے رسول کو عقائد و اعمال کی اصلاح کے اصول و قواعد لے کر بھیجا ہی اس غرض سے ہے کہ اسلام کو تمام دین اسلام تمام مذاہب پر غالب آکر رہے گا۔ مذاہب پر غالب فرما دے، خواہ یہ مشرک بُرا مانیں۔

یہ اشاعت و غلبہ اسلام کی ایک زبردست پیشین گوئی ہے۔ جس کے متعلق حضور اقدس ﷺ نے بھی بار بار بلند آہنگی سے ارشاد فرما دیا تھا۔ صحیحین میں حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ نے میرے لئے زمین کے مشرق و مغرب کو تہ کیا اور عنقریب میری امت کا ملک وہاں تک پہنچے گا جہاں تک زمین کو میرے لئے تہ کیا گیا ہے۔ امام احمد قتیبہ بن مسعود کی مرفوع روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا "عنقریب تمہارے لئے زمین کے مشرقی و مغربی حصے کھول دئے جائیں گے۔ لیکن ان ملکوں پر جو حاکم ہوں گے۔ وہ دوزخ میں جائیں گے سوائے اُن حاکموں کے جو اللہ سے ڈرتے رہے اور تقویٰ پر ثابت قدم رہے۔ عدی بن حاتم والی حدیث میں ہے کہ پھر حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا "خبردار ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ جو خیال تم کو مسلمان ہونے سے روکتا ہے۔ تم اس خیال میں پڑے ہو کہ اس شخص پر ایمان لانے والے اور اس کی پیروی کرنے والے صرف کمزور نادار غریب لوگ ہیں۔ عرب کے طاقتور لوگوں نے تو اس کو نہیں مانا بلکہ ٹھکرا دیا تو کیا تم نے حیرہ بھی دیکھا ہے؟ میں نے عرض کیا "دیکھا نہیں، مگر سُنا ہے"۔ فرمایا "قسم ہے اُس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کہ اللہ اس امر یعنی اسلام کو پورا کرے گا یہاں تک کہ تنہا عورت بغیر کسی کو ساتھ لیے ہوئے حیرہ سے چل کر کعبہ کا طواف کر جائے گی اور واللہ تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کرکے تصرف میں دو گے"۔ میں نے عرض کیا "کسریٰ بن ہرمز شاہ فارس کے خزانے؟" فرمایا "ہاں کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کروگے اور واللہ ایسا ہوگا کہ مال خیرات کیا جائے گا، مگر اس کو کوئی قبول نہ کرے گا یعنی ہر شخص دولت مند ہوگا الخ" (احمد)

مقصودِ بیان اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کے عمومی تسلط کی زبردست پیشین گوئی۔ اس امر کی ضمنی صراحت کہ اگر دنیائے کفر مکمل اسلام کو مٹانے کی کوشش کرے، مگر مٹا نہ سکے گی۔ حق کی فتح ہمیشہ ہوتی ہے۔ اسلام ہمیشہ اپنے براہین و دلائل کے ساتھ دیگر مذاہب پر غالب رہے گا۔ عیسائی اور یہودی اس کو زیر کرنے کی کتنی بھی کوشش کریں، مگر ہر کوشش بے سود ہوگی۔ وغیرہ۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَیَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ

مسلمانو! اکثر علماء و مشائخ لوگوں کا مال

النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِؕ وَ الَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ

ناجائز طور پر کھاتے ہیں اور راہِ خدا سے لوگوں کو روکتے ہیں جو لوگ سونا چاندی جمع

الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ (۳۴)

کرکے رکھتے ہیں اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو

یَّوْمَ یُحْمٰى عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ

جس روز کہ دوزخ کی آگ میں اس کو تپا کر اُس سے اُن کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں پر داغ لگائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ

toobaafoundation.com

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

یہی وہ (مال) ہے جس کو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا اب اپنے جمع کرنے کا مزہ چکھو

تفسیر اوپر کی آیت میں بیان تھا کہ عیسائی اور یہودی اپنے علماء و مشیخ کی کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ انھوں نے ان کو خدا بنا رکھا ہے۔ اب فرمانا چاہتا ہے کہ ان احبار و رہبان کا عجیب حالت ہے۔ بظاہر تو عالم و درویش تارک الدنیا سادھو بنے بیٹھے ہیں اور باطن میں عجیب خباثت بھری ہے۔ ان میں سے اکثر کی یہ حالت ہے کہ طرح طرح سے لوگوں کا مال اڑاتے اور اس کو جمع کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خود صرف کرنا نہیں جانتے۔ یعنی خوش رہنے کے بہانے سے لوگوں سے رشوتیں لیتے ہیں اور کتابِ الٰہی کے احکام و الفاظ میں تحریف کرتے۔ اپنے مطلب کے موافق توڑ مروڑ کرکے ان کو بنا لیتے، مگر قیامت کے دن ایسے جمع کیے ہوئے مال کو تپاکر منہ اور پیٹھ پر داغ لگائے جائیں گے۔

آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الخ کی تفسیر میں علماء اسلام کا اختلاف ہے۔ معاویہ بن ابو سفیان کا قول ہے کہ اس سے عیسائی اور یہودی علماء و مشائخ ہی مراد ہیں جن کا تذکرہ متصل آیات میں ہوتا چلا آیا ہے اُن کی قبیح حالت کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا کہ یہ لوگ خود مال کے اتنے حریص ہیں مگر راہِ خدا میں صرف نہیں کرتے خود کنجوسی کرتے ہیں۔ ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ اس سے زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمان مراد ہیں۔ سدی نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ بیضاوی نے کہا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے مسلمانوں کو اہلِ کتاب کے رشوت خواروں کے ساتھ ملا کر بیان کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ بغیر زکوٰۃ کا روپیہ جمع کرنا بھی سخت ترین فعل ہے۔ ابن عباس رضؓ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں پر اس کی تعمیل بہت شاق گذری۔ حضرت عمر رضؓ نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر مسلمانوں کی حالت کا تذکرہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ نے تم پر زکوٰۃ تو اسی لیے فرض کی ہے کہ اس کو نکال کر بقیہ مال کو پاک رکھو (رواہ ابو داؤد و ابو یعلی والبیہقی والحاکم وغیرہم مطولاً)۔ تیسرا قول ابوذر کا ہے کہ یہ آیت اہلِ کتاب اور اہلِ اسلام دونوں کے حق میں نازل ہوئی۔ عمومِ لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے صحیح بھی یہی ہے کہ جو شخص مال جمع کرے اور اس میں سے شرعی حق نہ نکالے اس پر خصوصیت کا عذاب ہوگا۔ خواہ وہ کتابی ہو یا مسلمان یا کوئی اور۔

رہی یہ بات کہ کَنْز سے کیا مراد ہے؟ تو اس کے متعلق حضرت ابوذر رضؓ کہتے ہیں "حاجت و ضرورت سے زائد جو مال جمع کیا جائے وہ کنز ہے۔ یعنی بس اپنی ضرورت کے لائق رکھنا تو جائز ہے۔ ضرورت سے زیادہ جمع کرنا حرام ہے۔ لیکن جمہور علماء (جن میں حضرت عمرؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، جابر بن عبداللہ وغیرہم بھی داخل ہیں) کا مسلک ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دے دی جائے وہ کنز نہیں خواہ حاجت سے زیادہ کتنا ہی بڑا خزانہ ہو۔ یہی صحیح بھی ہے۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آیت مذکورہ نازل ہونے سے پہلے یہ حکم (یعنی حاجت سے زائد مال کو جمع نہ کرنے کا حکم) تھا لیکن جب حکمِ زکوٰۃ نازل ہوا تو اللہ نے زکوٰۃ کو تطہیرِ مال کا سبب مقرر کر دیا۔ اب اگر میرے پاس کوہِ اُحد کی برابر بھی سونا ہو تو مجھے کچھ ڈر نہیں۔ میں اس کی زکوٰۃ دے دوں گا اور اس کو اطاعتِ الٰہی میں خرچ کروں گا (رواہ البخاری واحمد والبیہقی وغیرہم)۔

مقصودِ بیان یہودیوں اور عیسائیوں کے حالاتِ خلیعہ ظاہر فرما کر دَر پردہ مسلمانوں کے اُن عالموں اور درویشوں کو تنبیہ ہوا ہے مطلب کہہ دیئے ہیں کہ ہیرا پھیری، مال جمع کرنے کے لیے خلافِ شرع باتیں نکالتے ہیں۔ یہ شیطانی گروہ اولیائے کرام کا روپ بدل کر درویشوں اور پیر زادوں کی صورت میں آکر وہ ڈھونگ رچاتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ کہیں عرس و میلہ ہے، کہیں نذر و نیاز کے حرام طریقے۔ پھر علماء سو دران شیاطین الانس کے ان حرام افعال کی تاویلات کرتے اور ان پر علمی قلعی چڑھا کر مالک رنگ، مالس ہو و لعب کو جائز ثابت کرنے، غیر حرم کا ناچ دیکھنے کو مباح کہتے ہیں اور عوام جاہل ذرا سی دکھی و اشارہ دیکھ کر کرامات و ولایت کے قائل ہو جاتے ہیں اور اپنے پیروں کی خلافِ شرع باتوں کو وجوب و جواز پر محمول کرکے کہتے ہیں کہ یہ بزرگ دل ہم سے زیادہ واقف ہیں جو وہ کرتے ہیں وہ سب ٹھیک ہے۔ ہماری اتنی سمجھ ہی نہیں کہ اُن کے اعمال و اقوال کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔ ان سب کو آیاتِ مذکورہ سے عبرت پکڑنی چاہیے۔

toobaafoundation.com

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

اللہ کے نزدیک بلاشبہ مہینوں کی تعداد بارہ ہے (پیدائشِ) اس نے زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے

وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ

دن کتاب اللہ میں (لکھ دی ہے) ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں یہی سیدھا دین ہے تم ان میں کمی بیشی کرکے اپنے اوپر

أَنْفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ

ظلم نہ کرو اور تمام مشرکوں سے لڑو جس طرح وہ سب تم سے لڑتے ہیں اور جانتے رہو کہ اللہ

مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا

پرہیزگاروں کا حامی ہے مہینوں کا سرکا دینا تو کفر میں زیادتی ہے جس کی وجہ سے کافر گمراہ ہوتے ہیں

يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ

ایک سال تو ایک مہینہ کو حلال سمجھتے ہیں اور دوسرے سال اسی مہینہ کو حرام سمجھنے لگتے ہیں تاکہ اُن مہینوں کی گنتی پوری کرلیں جن کو اللہ نے باحرمت قرار دیا ہے

اللّٰهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ۝ع ع ٥ ٨ ١١

اور حرام کردہ مہینوں کو حلال بھی کرلیں اُن کی بداعمالیاں اُن کی نظروں میں زیب دہ بنا دی گئی ہیں اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا

تفسیر

اوپر کی آیات میں یہود و نصاریٰ کے علماء و مشایخ کی بیہودگیوں کا تذکرہ تھا اور اس بات کی صراحت کی تھی کہ اہلِ کتاب نے اپنے پیشواؤں کو خدائی اختیارات کا مجاز سمجھ رکھا ہے۔ اب ان آیات میں روئے سخن مشرکین کی طرف کیا جاتا ہے۔ جس سے غرض یہ ہے کہ مشرکین بھی اہلِ کتاب سے اس معاملے میں پیچھے نہیں۔ ان کے مقتدی اور سردار بھی بزعمِ خود خدائی تصرفات سے بے بہرہ نہیں ہیں۔ انہوں نے نسئی کا رواج جاری کر رکھا ہے اور اللہ کے بارہ مہینوں میں کمی بیشی کرنے کا اپنے کو مختار سمجھ لیا ہے۔

عرب کی سرزمین عموماً ذرائع معاش سے خالی تھی اور اب بھی معاش کی وہاں کمی ہے۔ نہ تو زراعت کے قابل زمین ہے۔ سوا بعض حصوں کے کل جزیرہ نما ریگستانی ہے، کوہستانی ہے، بنجر ہے، بیابان اور میدان ہے۔ نہ کوسوں پانی کا پتہ نہ سبزہ کی نمود نہ تجارت کا دائرہ کچھ وسیع ہے۔ ملکی پیداوار بھی ایسا نہیں جس کا مبادلہ غیر ملک سے بکثرت کیا جاسکے۔ پھر تہذیب و تمدن، نوشت و خواند اور دیگر اسباب ترقی سے دور۔ جہالت میں عرب عموماً بے بہرہ تھے۔ پڑھنا لکھنا عار جانتے تھے، تہذیبِ اخلاق کو جرم سمجھتے تھے تو ظاہر ہے کہ جس ملک میں اسباب معاش کا فقدان اور موروثی فطری جہالت برسرِعمل ہوگی اُس کے کیرکٹر کی کیا حالت ہوگی؟ یہی وجہ تھی کہ عرب کی سرزمین ہمیشہ اور ہر زمانے میں انسانی خون سے لالہ زار بنی رہتی تھی۔ ان کی روزی کا مدار لوٹ کھسوٹ اور قتل و خوں ریزی پر تھا۔ فطری جہالت اور سونے پر سہاگے کا کام دیتی تھی۔ عرب کا کوئی حصہ پُرامن نہ تھا۔ کوئی شخص آزادی کے ساتھ سال کے بارہ[12] مہینے میں پھر نہ سکتا تھا۔ بلکہ اپنی جگہ پر بھی ہر وقت ڈاکہ پڑجانے کا اندیشہ رہتا تھا چونکہ قومی اور شخصی زندگی اس طرح سے نا ممکن تھی۔ اس لیے بعض سمجھدار آدمیوں نے دورِ اسماعیلی کے بعد سے یہ دستور قائم کر رکھا تھا کہ ہر سال چار ماہ کے لئے کل عرب قتل و خوں ریزی سے دستکش رہتے۔ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور

toobaafoundation.com

محرم۔ چنانچہ اس حکم کی نہایت سختی سے پابندی کی جاتی ہے۔ ان مہینوں کو ماہ ہائے حرام کہا جاتا ہے اور اس زمانے میں جو شخص جہاں چاہتا آزادی سے پھرتا، چلتا، تجارت کرتا۔ کوئی شخص اپنے باپ کے قاتل سے بھی تعرض نہ کرتا۔ مگر عربوں کے لئے باعتبار فطری جہالت کے بھی اور باعتبار اسباب معاش کے فقدان کے بھی اس حکم کی پابندی بہت شاق تھی۔ رجب کا مہینہ تو خیر گزر جاتا، لیکن ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے تین ماہ مسلسل جنگ و غارتگری و سفاکی و کشت و خون سے رکنا اور امن سے گذار دینا ان کے لئے ناقابل برداشت مصیبت تھی۔ اس مصیبت و تکلیف کا احساس کر کے بعض جاہلیت کے سرداروں نے یہ دستور نکالا کہ محرم کے مہینے کی حرمت ماہ صفر پر لے جا کر کبھی ٹال دیتے یعنی ماہ محرم میں قتل و غارتگری کو کل عرب کے لئے کسی سال حلال کر دیتے اور بجائے محرم کے ماہ صفر میں جنگ و جدال کو حرام قرار دیتے۔ اس صورت سے تین ماہ کے تسلسل کی بجائے صرف دو ماہ کی مسلسل حرمت رہ جاتی۔ اس طریقے کو نسئی کہتے تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نسئی بمعنی لوند ہے یعنی جس طرح ہندوستان والے تیسرے سال ایک مہینے پر مجبور ہوتے ہیں کہ اس سال دو ساون یا دو چیت یا کوئی دوسرے مہینے دو ہیں کیونکہ فصلی حساب قمری ہوتا ہے اور حساب قمری میں ہر تیسرے سال ایک ماہ کی بیشی ضروری لازم ہے۔ اسی طرح عرب کا حساب بھی چونکہ قمری تھا اور اس میں بھی تیسرے سال ایک ماہ کی زیادتی ضروری تھی اور ہر سالانہ کام کا اسی ماہ اور اسی فصل میں کرنا لازم سمجھا جاتا تھا، اس لئے وہ تیسرے سال نسئی یعنی لوند کا حکم لگا دیتے تھے اور دو محرم یا دو صفر یا دو ذی الحجہ قرار دے لیتے تھے۔ اسی کو نسئی کہا جاتا تھا۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ صحابہ اور بڑے بڑے مفسرین سے نسئی کی تفسیر وہی منقول ہے جو ہم پہلے درج کر آئے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کتاب الٰہی یعنی لوح محفوظ میں جس دن سے زمین و آسمان پیدا کئے گئے یعنی ابتدائے خلقت سے سال کے بارہ[۱۲] مہینے اللہ نے بنائے ہیں جن میں سے چار مہینے واجب الاحترام ہیں۔ سو مسلمانو! ان میں زیادہ تر احتیاط کیا کرو، ظلم نہ کیا کرو یعنی خواہ مخواہ ان مہینوں میں لڑ کر خود اپنے کو تباہ نہ کرو، یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر کفار تم سے لڑیں تو تم بھی اُن سے لڑو اور مہینے کو ہٹا دینا کفر کی رسم ہے۔ کسی سال لوند کے مہینے کو حرام اور کسی سال حلال قرار دے کر سال کے بارہ مہینے پورے کرنا اور ماہ ہائے حرام کی گنتی پوری کر لینا کافروں کا کام ہے۔

بعض مفسرین نے نسئی کی تفسیر دوم کو ترجیح دی ہے۔ ان کا قول ہے کہ سردی گرمی کے موسم کا لحاظ کر کے قمری مہینوں کو شمسی مہینوں کے مطابق کرتے تھے تاکہ حج موسم خاص میں آیا کرے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے جس سال حج کرایا یعنی ۹ھ میں۔ اس سال حج بجائے ذی الحجہ کے ذیقعدہ میں ہوا یعنی واقع میں وہ ذیقعدہ کا مہینہ تھا جس کو عام طور پر ذی الحجہ کہا جاتا تھا۔ گویا ذی الحجہ کے اس سال دو مہینے تھے اور پھر جس سال رسول پاکؐ نے حج کیا یعنی حجۃ الوداع کے سال ہر قمری مہینہ اپنے اصلی موقع پر تھا۔ اس لئے حضورؐ نے فرمایا ان الزمان قد استدار کہیئتہ (بخاری) یعنی زمانہ گھوم کر اپنی اصلی جگہ پر آ گیا۔

° اکثر علماء کے نزدیک اسلام میں ان مہینوں کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہی۔ ہر مہینہ اور ہر زمانے میں گناہ اور ظلم اور قتل و جنگ ممنوع ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کی زیادہ رعایت ہے۔ اگر کافر اس زمانے میں چڑھائی کریں تو بمجبوری مدافعت کرنی چاہیئے ورنہ اپنی طرف سے اقدام نہ کرنا چاہیئے۔ واللہ اعلم۔

مقصود بیان اس امر کی صراحت کہ اسلامی حساب چاند سے ہوتا ہے۔ سال کے بارہ[۱۲] مہینے ہوتے ہیں۔ لوند بے حقیقت چیز ہے۔ ماہ ہائے حرام کی حرمت مسلمانوں پر لازم ہے بشرطیکہ کفار ان پر حملہ نہ کریں۔ اگر کفار حملہ کریں تو پھر قتال لازم ہے۔ نسئی کی رسم جہالت انگیز ہے۔ بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہے، مگر واقع میں خراب ہے اور شیطانی حرکت ہے۔ وغیرہ۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ ٱنفِرُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱثَّاقَلْتُمْ

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے راہ خدا میں چل نکلو تو تم زمین پر

إِلَى ٱلْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا مِنَ ٱلْءَاخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَٰعُ ٱلْحَيَوٰةِ

ڈھئے جاتے ہو کیا تم آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی کو پسند کرنے لگے حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیوی

toobaafoundation.com

الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ○ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا

زندگی کا عیش تو بہت تھوڑا ہے اگر تم جہاد کو نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک سزا دے گا اور تمہاری بجائے ایک

غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ

اور قوم کو لے آئے گا۔ اور تم خدا کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور خدا سب کچھ کر سکتا ہے اگر تم رسول کی مدد نہ کرو گے تو نہ کرو اللہ نے

نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ

تو اس کی مدد اس وقت بھی کی تھی جبکہ کافروں نے اس کو نکالا تھا بعد وہ دو میں کا دوسرا تھا۔ دونوں غار کے اندر تھے اور وہ اپنے ساتھی

لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ

سے کہہ رہا تھا کچھ فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اپنی طرف سے اس پر سکون خاطر نازل فرمایا اور ایسی فوجوں سے اس کی مدد

تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

کی جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ ہی کا بول بالا ہے اور اللہ غالب و صاحب تدبیر ہے۔

تفسیر سنہ ۹ ہجری میں غزوۂ طائف سے واپس آ کر حضور اقدس ؐ نے جنگ تبوک کا ارادہ کیا۔ حضور کا قاعدہ تھا کہ اگر کہیں چڑھائی کرنے کا ارادہ ہوتا تو اصل مقصد کا اظہار نہ فرماتے بلکہ دوسرے الفاظ میں ارادہ کو ظاہر فرماتے تاکہ دشمن آپ کے ارادے سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکیں، لیکن تبوک چونکہ سرحد شام پر مدینے سے دس منزل کے فاصلے پر تھا اور آپ کو مکمل تیاری کرنی تھی، اس لئے بہ وضاحت ارادہ کا اعلان کر دیا اور تمام مسلمانوں کو ساتھ چلنے کا حکم ہوا۔ تبوک کو جانے کی وجہ یہ تھی کہ ملک شام سے ایک قافلے نے آ کر اطلاع دی تھی کہ ہرقل شاہ روم کو کفار اور دشمنان اسلام نے یہ خبر دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور ان کے ملک میں قحط ہے لوگ پریشان اور بے سر و سامان ہیں۔ ایسے وقت میں آسانی سے فتح ہو سکتی ہے۔ ہرقل نے یہ اطلاع پا کر اپنے کمانڈنگ آفیسر قباد کو چالیس ہزار فوج کا سپہ سالار بنا کر بھیجا ہے اور عرب و عراق کے تمام نصرانی قبائل کو فوج کی مدد کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ لخم جذام عاملہ وغیرہ شاہی فوج کے مددگار ہیں نیز شاہ غسان بھی فوجی اور مالی امداد کرنے پر تیار ہو چکا ہے۔ حضور والا نے یہ خبر پا کر مسلمانوں کو جہاد کے لئے آمادہ کیا اور تمام مسلم قبائل عرب میں نقیب و داعی بھیجے اور سب کو جلد از جلد جمع ہو جانے کا حکم دے دیا۔ چوں کہ اس سال سخت کال تھا، پھلوں کے پکنے کا زمانہ تھا، سخت گرمی پڑ رہی تھی، سفر بھی دور کا تھا، ساز و سامان کچھ نہ تھا، بے انتہا تنگدستی تھی، دس مسلمانوں کے حصے میں ایک ایک سواری آتی تھی، خوراک کے لئے چھوہارے کے سوا کوئی چیز نہ تھی، کوسوں پانی نہ تھا، ریگستان طے کرنا تھا اس پر ہرقل جیسے قہار بادشاہ کا مقابلہ تھا، اس لئے بعض لوگ خصوصاً منافق چلنے میں حیلے بہانے کرنے لگے اور پست ہمت ہو کر سست پڑ گئے اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں، مگر پستی ہمت حیلہ تراشی عام مسلمانوں نے نہیں کی تھی بجز تین مسلمان تو شاید تین سے زائد رسول اللہ ؐ کی ہمرکابی سے نہیں رہے تھے البتہ منافقوں کو چونکہ شکست کا یقین تھا اور ذلت کی دشوار گزاری شاق تھی، اس لئے وہ پست ہمت تھے اور حیلے بہانے کرتے تھے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ:۔

مسلمانو! جہاد کا حکم ملنے پر تم سست اور پست ہمت کیوں پڑ گئے؟ کیا تم نے آخرت پر دنیوی زندگانی اور آرام طلبی کو ترجیح دے لی۔ دنیوی زندگانی اور فانی کا عیش و طرب تو بے حقیقت اور چند روزہ ہے۔ یاد رکھو اگر جہاد پر نہ جاؤ گے تو اللہ کے سخت عذاب میں ماخوذ ہو گے اور تمہاری بجائے اللہ

toobaafoundation.com

دوسری قوم کو اسلام کی حمایت کے لئے مقرر کردے گا۔ جہاد پر نہ جانے سے تم رسول اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم کو یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اگر ہم مدد نہ کریں گے تو رسول اللہ کی کوئی مدد نہ کرے گا۔ اللہ سب کچھ کرسکتا ہے۔ اُس نے اپنے رسولؐ کی مدد اس وقت بھی کی کہ جب کافروں نے اس کو جلا وطن کردیا تھا اور وہ معہ اپنے دوسرے ہمراہی کے چل کر غار ثور میں چھپ گیا تھا اور (اُس کے ساتھی نے جب اُس سے اپنے اضطراب کو ظاہر کیا تو اُس نے اپنے ساتھی سے کہا فکر کی کوئی بات نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ چنانچہ اپنی طرف سے اطمینانِ قلب اُس کو عطا کیا اور مختلف مقامات پر غیبی لشکر سے اُس کی امداد کی اور بالآخر کافروں کی بات کو نیچا دکھا یا (کیا اب وہ خدا اپنے رسولؐ کی مدد نہیں کرے گا۔ اللہ کا قول بالا ہے بہرحال بول بالا رہے گا۔ اُس کو ہر طرح کی طاقت ہے اور اس کی علم و حکمت کا دائرہ بھی وسیع ہے پھر وہ امداد کرنے سے کسی طرح عاجز نہیں ہوسکتا۔

اِذۡ اَخۡرَجَهُ الخ میں خدا تعالٰے نے ہجرت کا واقعہ مختصر طور پر بیان فرما کر مسلمانوں کو یقین دلایا ہے کہ اللہ بہرحال اپنے رسولؐ کی مدد فرمائے گا چونکہ آیات میں مجمل طور پر ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس لئے ہم بھی صحیح بخاری سے مختصر طور پر یہ واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جب کافروں نے دارالندوۃ میں رسول پاکؐ کو شہید کرنے کا مشورہ طے کرلیا تو بحکم الٰہی آپ نے مدینے کی طرف ہجرت کرجانے کا ارادہ کیا اور اس راز سے صرف صدیق اکبرؓ کو مطلع کیا۔ صدیق اکبرؓ بھی ہمراہ چلنے کے خواستگار ہوئے۔ حضورؐ نے اُن کو اجازت دے دی۔ چنانچہ رات کو جب کافروں نے مکان کا محاصرہ کرلیا تو بحکم خدا آپ حضرت علیؓ کو اپنی جگہ لٹا کر دروازہ کھول کر چوکیدارہ کرنے والوں کے سروں پر خاک ڈالتے نکل گئے اور پتہ بھی نہ ہوا۔ یہاں سے نکل کر ابوبکرؓ کے مکان پر پہنچے وہاں سے ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر چل دیئے۔ کافروں کو جب صبح کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے چاروں طرف سوار دوڑا دیئے اور ہزار اونٹ انعام مقرر کردیا۔ یہ دونوں بزرگ چلتے چلتے غار ثور پہنچے اور وہاں جاکر غار کے اندر آرام سے بیٹھ گئے۔ کفار نے پیچھا کیا۔ نشانِ قدم دیکھتے دیکھتے غار ثور کے دہانے پر پہنچے۔ اندر سے کافروں کے پاؤں نظر آتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کو حضور اقدسؐ کا اندیشہ ہوا۔ عرض کیا "یا رسول اللہ! یہ کافر آگئے ہیں۔ اگر نیچے جھک کر دیکھیں گے تو ہم دیکھ جائیں گے۔" حضورؐ نے فرمایا "اے ابوبکرؓ! اُن دو شخصوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہے۔ تم کچھ فکر نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" حضرت ابوبکرؓ کو اطمینانِ قلب حاصل ہوا اور تین شبانہ روز رہنے کے بعد وہاں سے مدینے کو چل دیے۔

مقصودِ بیان

جہاد کا حکم ترغیب آمیز دنیوی ساز و سامان کتنا ہی عظیم الشان ہو، مگر آخرت کے مقابلے میں حقیر بے مقدار ہے۔ مسلمان کو اس سے دل نہ لگانا چاہیئے۔ اس امر کی صراحت کہ دینِ الٰہی کی کامیابی اور تبلیغ رسول اللہؐ کی ظفر و اشاعت کچھ موجودہ مسلمانوں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اللہ جس سے چاہتا ہے اپنا کام لیتا ہے وہ بجائے موجودہ مسلمانوں کے دوسری قوموں سے بھی یہ کام لے سکتا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کی تصریح کہ جب حضورؐ کو دنیا نے چھوڑ دیا تب بھی ابوبکرؓ نے آپ کی معیت اختیار کی اور اپنی جان کی کوئی پرواہ نہ کی۔ اگر کچھ فکر ہوئی تو حضورؐ کی نسبت۔ اُس پر حضورؐ نے تسلی دے دی۔ حضور اقدسؐ نے جو حضرت ابوبکرؓ کو فہمائش کی تھی اُس سے توکل اور ہر مصیبت کے وقت ذاتِ الٰہی پر بھروسہ کرنے کی تعلیم حاصل ہوتی ہے۔ اس بات کا بھی استخراج ہوتا ہے کہ خدا ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور ہر شخص کے ساتھ موجود ہے۔ ضمنی طور پر یہ امر بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اللہ اپنے نیک بندوں کی مدد ہر کڑے وقت کرتا ہے۔ اس بات کی بھی صراحت ہے کہ کافروں کو ہر موقع پر مسلمانوں کے مقابلے بشرطیکہ مقابلہ کفر اور اسلام کا ہو نیچا دیکھنا پڑتا ہے اور ہمیشہ اللہ کا بول بالا رہتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کہنا اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ممکن و واجب اور مخلوق و خالق کا اتحادِ وجود درست نہیں ہے اور یہ خیال غلط ہے کہ تمام عالم کا وجود بعینہٖ اللہ کا وجود ہے ورنہ معیت کے کوئی معنی نہیں ہوسکتے۔ معیت تعدد کو چاہتی ہے۔ واللہ اعلم۔

اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ وَاَنۡفُسِكُمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ

ہلکے اور بھاری نکل کھڑے ہو۔	اور راہ خدا میں	اپنے جان و مال	سے	جہاد کرو

toobaafoundation.com

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا

اگر دانشمند ہو تو سمجھ لو کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اگر کچھ قریب الحصول فائدہ ہوتا اور متوسط درجہ

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ

کا سفر ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے مگر مسافت انہیں لمبی معلوم ہوئی عنقریب یہ قسمیں

بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ ع ۶

کھائیں گے کہ اگر ہم سے بن پڑتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے یہ لوگ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں

تفسیر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تبوک کو جانے کا ارادہ کرلیا اور بیس یا تیس یا ستر ہزار مسلمانوں کی عظیم الشان فوج جمع ہوگئی تو بعض مسلمانوں نے مختلف عذر پیش کرنے شروع کئے۔ کسی نے اپنی کمزوری ظاہر کی، کسی نے ناداری، کسی نے عیال کی کثرت، کسی نے اپنی حد سے زیادہ زیر باری، کسی نے اپنے کاروبار کی مشغولیت۔ غرض یہ کہ ہر شخص نے حیلہ تراشی اور بہانہ سازی شروع کردی۔ اس پر یہ حکم عام ہوگیا اور یہ آیات نازل ہوئیں اور عمومی اعلان ہوگیا کہ حالت کمزور ہو یا طاقتور، مشغول ہو خالی، بوڑھے ہو یا جوان، تنگدستی ہو یا فراخی، چست ہو یا سست بہرحال جہاد کو چلو اور راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرو اور جانیں لڑا دو، یہ دنیا و دین میں تمہارے لئے بہتر ہے۔ اگر تم کو اس کی بہتری کا علم ہو اور جہاد کا ثواب معلوم ہو تو ضرور اس حکم کی تعمیل کرو۔

جب یہ حکم نازل ہوا تو حضور سب کو ساتھ لے کر چل دیئے، لیکن منافق پھر بھی ہر منزل پر بچھڑتے جاتے تھے اور حیلے بہانے کر کے اجازت لے کر واپس جا رہے تھے۔ کچھ لوگ پہلے ہی سے مدینے میں رہ گئے تھے۔ جن میں سے تین مخلص مسلمان بھی تھے۔ غرض حضور علیہ السلام تبوک پہنچے وہاں کچھ قیام کیا اور کچھ مدت کے بعد واپس ہوئے تو راستے میں منافقوں کے حق میں مذکورہ ذیل آیات نازل ہوئیں جن کا حاصل یہ ہے کہ اگر ان منافقوں کو مال غنیمت ہاتھ لگنے کا یقین ہوتا اور سفر بھی قریب ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے، مگر سفر تھا دور کا اور مال غنیمت کے حصول کی قطعی امید نہ تھی، اس لئے ساتھ نہ گئے (بلکہ ان کو تمہاری شکست کا یقین تھا) اب مدینے پہنچے گے تو اللہ کی قسمیں کھا کر عذر پیش کریں گے کہ حضور ہم میں طاقت نہ تھی ہم مجبور تھے۔ اگر مجبور نہ ہوتے تو ضرور آپ کے ساتھ چلتے، مگر اس روگردانی اور حیلہ تراشی اور جھوٹی قسمیں کھانے کا وبال انہیں کو بھگتنا ہوگا، وہی اپنے ہاتھوں خود اپنے کو تباہ کریں گے۔ خدا خوب معلوم ہے وہ جھوٹے ہیں۔

تحلیل اجزاء

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا: خفت وثقل کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے۔ ابن کثیر کا قول ہے "خوشی ہو یا ناخوشی، تنگدستی ہو یا فراخی بہر حال جہاد کو نکلو"۔ ابن عباس، عکرمہ، ابو صالح، حسن بصری، مقاتل، شعبی، زید بن اسلم وغیرہ کا قول ہے "جوان ہو یا بوڑھے جہاد کو نکلو"۔ مجاہد کا قول ہے "جوان ہو یا بوڑھے، تونگر ہو یا مفلس"۔ حکم ابن عتیبہ کا قول ہے "خالی ہو یا مشغول"۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ عموم حالات مراد ہے یعنی ایسی حالت ہو کہ جہاد آسان ہے یا ایسی حالت ہو جس میں جہاد دشوار ہے۔ کمزور ہو یا طاقتور، بوڑھا ہو یا جوان، فقیر ہو یا تونگر۔ بہر حال جہاد کو چلو۔ یہی تفسیر سب سے بہتر ہے کیونکہ لفظ میں عموم ہے، اس لئے بغیر کسی وجہ کے خصوص پر حمل نہیں کیا جا سکتا۔

اس آیت میں جہاد کا عمومی حکم دیا، لیکن جن لوگوں میں جہاد کی اہلیت اور صلاحیت ہی نہیں وہ عقلاً یا نقلاً مستثنیٰ ہیں مثلاً بچے اور غلام اور عورتیں جو مکلف ہی نہیں ہیں یا بیمار، لنجے اور اپاہج اور وہ بڑے بوڑھے جن میں چلنے کی طاقت ہی نہیں عقلاً بھی جہاد کی صلاحیت نہیں رکھتے اور بعض لوگوں کے نزدیک آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ کی رو سے مخصوص بھی ہیں، لیکن بعض صحابہ نے آیت کو عموم پر ہی محمول کیا ہے۔ چنانچہ ابو طلحہؓ نے آخری عمر

toobaafoundation.com

میں سفرِ جہاد پر جانے کا ارادہ کیا۔ بیٹوں نے کہا آپ رسول اللہ صلعم کے ہمراہ صدیق اکبر رضہ کے ہمراہ فاروق اعظم رضہ کے ہمراہ بہت جہاد کر چکے ہیں اب آپ کا ارادہ
نہیں ہم آپ کی طرف سے جہاد کریں گے تو فرمایا نہیں مجھے یہی حکم ہے۔ چنانچہ گئے جہاز میں انتقال ہو گیا۔ جنازہ نو روز تک جہاز میں رہا پھر ایک جزیرہ آیا تو وہاں
دفن کیا گیا مگر کسی قسم کی بو پیدا نہ ہوئی تھی۔ مقداد بن اسود جب آخر عمر میں جہاد کو جانا چاہتے تھے تو بعض لوگوں نے کہا۔ اب آپ کو اللہ نے معذور کر دیا ہے کیوں
ارادہ کرتے ہیں۔ فرمایا نہیں سورۂ بعوث میں ہم کو اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا کا حکم ہوا ہے۔
لیکن جمہور کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ غیر مکلف اور ناقابلِ جہاد لوگ حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ باقی لوگوں کے واسطے عمومی حکم ہے اور فقط غزوۂ تبوک کے ساتھ ہی
اس حکم کی خصوصیت نہیں اگرچہ نزولِ آیت تبوک ہی کے متعلق ہوا مگر ہر جہاد کے لئے اس حکم کا عموم ہے۔
سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ الخ میں پیشین گوئی ہے کہ مدینہ پہنچو گے تو منافق آ کر جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

مقصود بیان

جان و مال سے راہِ خدا میں جہاد کرنے کا عمومی حکم اس امر کی طرف اشارہ کہ انسان بعض احکام کے مصالح سے ناواقف ہوتا ہے۔
اور اس کو حکم کی تعمیل میں دشواری محسوس ہوتی ہے مگر واقع میں وہ حکم پُر حکمت اور مفید ہوتا ہے۔ منافق صرف دکھاوے اور فتنہ
انگیزی کے لئے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ آیت میں منافقوں کے متعلق پیشین گوئی ہے جو حرف بحرف پوری ہوئی۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ

(اے محمد) اللہ نے تم کو معاف کیا تم نے ان کو اجازت ہی کیوں دی اس سے پہلے کہ سچوں کی سچائی تم پر ظاہر ہو جائے اور تم جھوٹوں کے

الْكٰذِبِيْنَ ○ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ

جھوٹ سے تم واقف ہو جاؤ جو لوگ اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اپنے

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ○ اِنَّمَا

جان و مال سے جہاد (نہ) کرنے کی اجازت ہی نہ مانگیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے رخصت

يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ

کے خواہاں وہی لوگ ہوں گے جن کا اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان نہیں اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں اور وہ

فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ○ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ

شک میں بھٹکتے پھرتے ہیں اگر وہ نکلنا چاہتے تو کچھ سامان اس کے لئے تیار کرتے مگر

كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ○ لَوْ خَرَجُوْا

ان کا اٹھنا اللہ کو ناپسند ہوا اس لئے اس نے ان کو ڈھیلا کر دیا اور کہہ دیا کہ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو اگر وہ تمہارے

فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ

ساتھ نکلتے بھی تو بس تم میں خرابی ہی بڑھاتے اور تمہارے درمیان گھوڑے دوڑاتے اور تمہارا بگاڑ کرانے کی تلاش میں لگے رہتے

toobaafoundation.com

وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ

تم میں بعض لوگ سُن بھی لیتے ہیں ۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اُنھوں نے پہلے بھی فساد ڈلوانا

مِن قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ۝

چاہا تھا اور تمہارے لئے تدبیروں کی اُلٹ پھیر کرتے رہے یہانتک کہ حق آپہنچا اور اُن کی ناخوشی کے باوجود اللہ کا حکم غالب آیا

تفسیر

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے واپس ہوکر مدینہ پہنچے تو منافقوں نے آکر معذرتیں کرنی شروع کیں۔ حضورؐ نے اُن کے عذر بظاہر قبول فرمائے اور کچھ مواخذہ نہ کیا۔ اس کے علاوہ روانگی کے وقت اور اثنائے راہ میں بھی ساتھ نہ چلنے کی اجازت دے چکے تھے اس پر لطیف عتاب ہوا اور خفیف فروگذاشت پر بلاغت آمیز خفیف ناراضگی کے ساتھ صراحتِ عفو بھی فرمادی اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

خیر اب تو خدا نے تم کو معاف کردیا لیکن تم نے اُن کو واپسی کی اجازت ہی پہلے سے کیوں دیدی تھی۔ سچے اور جھوٹوں کی حالت کا تو انکشاف ہوجانے دیا ہوتا جو پکے مومن تھے وہ تم سے واپسی کی اجازت کے خواستگار ہی نہ ہوئے تھے بلکہ اجازتِ واپسی تو اُن لوگوں نے چاہی تھی جن کا اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہ تھا۔ اسلام کے متعلق اُن کے دلوں میں شک و تردّد تھا۔ پھر وہ تمہارے ساتھ ویسے ہی نہ جاتے خود ہی نہ جاتے۔ انہوں نے نہ جانے کا پہلے سے پختہ ارادہ کرلیا تھا کیونکہ اگر اُن کو جانا ہوتا تو جانے کا کچھ تو سامان پہلے سے کرتے۔ چونکہ اُن کے دلوں میں ایمان نہ تھا اور جانا نہ چاہتے تھے اس لئے اللہ کو بھی پسند نہ تھا کہ وہ اُٹھ کر تمہارے ساتھ جاتے۔ اللہ نے اسی بات کو مناسب سمجھا کہ وہ بیٹھے رہیں۔ اچھا اگر وہ چلے بھی جاتے تو وہاں جاکر کرتے بھی کیا؟ جھوٹی خبریں اُڑاتے، مسلمانوں میں فتنہ بپا کرنے کی کوشش کرتے۔ مسلمانوں میں اُن کے جاسوس موجود ہیں جو مسلمانوں کی خبریں اُن کو پہنچاتے ہیں ۔ ان جاسوسوں کا علم اللہ کو ہے ۔ اس سے پہلے بھی انھوں نے فتنہ بپا کرنا چاہا تھا اور بہت جوڑ توڑ لگائے تھے مگر اُن کی ایک نہ چلی۔ اب بھی جاتے تو ایسا ہی کرتے۔

تحلیلِ اجزاء

عَفَا اللَّهُ الخ کو اکثر مفسرین نے معافی آمیز عتاب قرار دیا ہے۔ عون عمرو بن میمون، عطاء خراسانی اور سفیان بن عیینہ وغیرہ کا یہی قول ہے لیکن قاضی عیاض نے شفاء میں اس کو عتاب نہیں کہا ہے بلکہ زبان کا محاورہ قرار دیا ہے۔ جس طرح اردو میں کہتے ہیں اچھا خیر اب جانے دو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ قشیری نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ میرے نزدیک بھی یہی بہتر ہے۔ امام رازی نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الخ مقصد یہ ہے کہ جھوٹے حیلے تراش کر اہلِ ایمان اجازت کے خواہاں نہیں۔ چنانچہ مہاجرین و انصار نے کہا تھا کہ ہم اجازت نہیں چاہتے۔ کیونکہ بار بار اللہ نے جہاد کی دعوت دی ہے۔ جب اس سفر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضؓ کو ساتھ نہ لے گئے اور اپنا قائم مقام مدینہ میں کر گئے تو حضرت علی رضؓ پر یہ بات بہت تکلیف دہ اور شاق گزری۔ بالآخر حضورؐ نے فرمایا کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ جس طرح موسیٰؑ کے لئے ہارونؑ تھے اسی طرح تم میرے لئے ہو۔ اس فرمان پر بمشکل تمام حضرت علی رضؓ رہنے پر رضامند ہوئے۔

مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا میں شبہ کیا گیا ہے کہ کیا مسلمانوں میں پہلے سے فتنہ فساد تھا جس کی زیادتی منافقوں کے شمول سے ہو جاتی؟ اور نہ آتے تو کیا یعنی؟ بیضاوی اور صاحب کشاف نے لفظ اِلّا کو لٰکِنْ کے معنی میں لیا ہے۔ یعنی اگر منافق شامل ہوجاتے تو مسلمانوں کے اندر کوئی قوت نہ زیادہ کرتے بلکہ فتنہ پیدا کرتے۔ لیکن خفاجی وغیرہ نے استثناء کو منقطع قرار دیا ہے یعنی تمہارے اندر کچھ زیادہ نہ کرتے سوائے فتنہ پیدا کرنے کے۔ مطلب یہ ہے کہ جتنی حالتیں تمہاری تھیں وہ بدستور رہتیں مگر اُن حالتوں میں ایک جدید حالت یعنی فتنہ کا اضافہ ہوجاتا۔

وَفِيكُمْ سَمَّاعُونَ لَهُمْ اس کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے۔ بعض نے اس سے کمزور مسلمان مُراد لئے ہیں۔ ابن کثیر نے وہ لوگ مُراد لئے ہیں،

toobaafoundation.com

جو منافقوں کے کلام کی تحسین اور اُن کی مدح سرائی کرتے تھے تاکہ منافقوں اور مسلمانوں میں باہم فوراً مخالفت بپا ہوجائے۔ لیکن مجاہد اور زید بن اسلم نے اس سے جاسوس مراد لئے ہیں۔ ہم نے بھی تفسیری مطلب میں جاسوس کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ بعض کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ اُحد کے دن بھی منافق پھر گئے تھے۔ ابنِ جریج نے کہا کہ تبوک سے واپسی میں رات کے وقت ایک گھاٹی میں بارہ منافق چھپ گئے تھے تاکہ حضورؐ کو اچانک ضرر پہنچائیں لیکن جبرئیلؑ نے آپ کو اطلاع دے دی تھی۔ وہ لوگ مراد ہیں۔

قَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ الخ جب حضورؐ مدینہ میں تشریف لائے تو یہودی اور منافق سب ہی دشمن تھے اور مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے۔ لیکن جب بدر کے روز مسلمانوں کو کھلی فتح حاصل ہوگئی تو عبداللہ بن ابی بولا اب تو یہ کام چلا لہٰذا مصلحت یہی ہے کہ اس میں شریک ہوجاؤ۔ چنانچہ بظاہر اسلام میں داخل ہوگئے۔

مقصود بیان

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ سے رسولِ پاک کو تلطف آمیز خطاب ہے۔ آیات میں اس امر پر دلالت ہے کہ رسولِ پاکؐ کبھی اجتہاد سے بھی کام کرتے تھے جیسے کہ منافقوں کو واپس ہوجانے کی اجازت حضورؐ نے بغیر وحی کے دیدی تھی۔ تعمیلِ حکمِ الٰہی میں پختہ ایمان والے کبھی پس و پیش اور حیلہ تراشی نہیں کرتے۔ ہر کام بمشیئتِ الٰہی ہوتا ہے کفار و منافقین کا جنگِ تبوک سے رہ جانا بھی بمشیئتِ الٰہی تھا۔ منافقوں اور کافروں نے اسلام کے خلاف ہزار تدبیریں کیں مگر ایک نہ چلی اور بالآخر حق غالب ہوکر رہا۔ اس میں مسلمانوں کو تسکین دی گئی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ

ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دیجئے بلا میں نہ پھنسائیے بلا میں تو وہ خود ہی آگرے

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ○

دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

تفسیر

یہ آیت جد بن قیس کے متعلق نازل ہوئی۔ جد ایک منافق تھا اور خاندان بنوسلمہ کا سردار بھی تھا۔ ابن عباس، مجاہد اور دیگر ائمۂ تفسیر نے آیت کی شانِ نزول اس طرح بیان کی ہے کہ جب مسلمانوں نے غزوۂ تبوک کا ارادہ کیا اور ساز و سامان درست کرنے لگے تو حضورِ اقدسؐ نے جد بن قیس سے بھی ہمراہ چلنے اور جہاد میں شریک ہونے کو کہا۔ جد نے بطور بہانہ کے عرض کیا یا رسول اللہ میری قوم کو معلوم ہے کہ مجھے عورتوں کی طرف زیادہ میلان ہے اگر میں اہلِ روم کے مقابلہ پر گیا تو مجھے اندیشہ ہے کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر ضبط نہ کرسکوں گا لہٰذا آپ مجھے فتنہ میں نہ ڈالیں یعنی جہاد پر نہ لے جائیں۔ میں آپ کو مالی امداد دوں گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جد نے یہ بہانہ کیا تھا۔ درحقیقت وہ منافق تھا نفاق کے سوا عدم شرکت کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ یہ منافق بظاہر تو آپ سے فتنہ سے بچنے کی درخواست کرتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے خیر اندیش اور نیکوکار ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ فتنہ میں خود پڑے ہوئے ہیں۔ رسولؐ کے حکم سے سرتابی اور فرمانِ الٰہی کو حیلہ بہانہ سے ٹال دینا زبردست فتنہ ہے جس میں یہ مبتلا ہیں۔ غرض یہ کہ دل میں کافر اور ظاہر میں مومن ہیں اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جہنم کے اندر کافر بند ہوں گے۔ ان کی کفر طرازیاں ایسی بہانہ سازیوں کی موجب ہیں اور یہ نفاق انگیزیاں دخولِ جہنم کا سبب ہیں اور چونکہ یہ نفاق انگیزیاں ان کو ہر وقت گھیرے ہوئے ہیں تو گویا جہنم اُن کو محیط ہے۔

مقصود بیان

دخولِ جہنم کا سبب کفر ہے۔ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔ کافر قطعی جہنمی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں چون و چرا اور حیلہ سازیاں کرنا کفر ہے۔ لشکرِ اسلام کی امداد اپنی جان سے کرنا واجب ہے بشرطیکہ کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا

اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو ان کو برا لگتا ہے اور اگر تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو اپنا

أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ○ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ

کام پہلے ہی سے ٹھیک ٹھان لیا تھا اور خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں تم (ان سے) کہہ دو کہ ہم کو تو بس وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے

اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○

لئے لکھ دیا ہے وہی ہمارا کارساز ہے اور اللہ ہی پر مسلمانوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے

تفسیر: یہ آیت گزشتہ آیت کا معنوی ثبوت ہے۔ سابق آیت میں منافقوں کے نفاق کی طرف ضمنی اشارات کئے تھے۔ اس آیت میں اُن کے علامات نفاق کی صراحت ہے اور پھر مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

حاصلِ فرمان یہ ہے کہ یہ لوگ قطعی منافق ہیں۔ مسلمانوں کو جہاد وغیرہ میں کوئی خوشگوار امر پیش آتا ہے تو یہ رنجیدہ ہو جاتے ہیں ان کو قلبی تکلیف پہنچتی ہے اور اگر کوئی بُری بات پیش آجاتی ہے فتح نہیں ہوتی اور بظاہر کامیابی نہیں ہوتی تو بس شاداں اور فرحاں گھروں کو لوٹتے ہیں اور کہتے ہیں اوہ ہم تو یہ پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے اس لئے ہم نے تو اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لی تھی اور اپنا کام کر چکے تھے۔ اے رسول! تم اُن سے کہہ دو کہ دُکھ سُکھ تو تقدیر ہے جو تقدیر میں اللہ نے لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اللہ ہی ہمارا ناصر حافظ اور مددگار ہے۔ یعنی کسی تدبیر سے نہ کوئی نفع مل سکتا ہے نہ نقصان دور ہو سکتا ہے، اس لئے اہلِ ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

مقصودِ بیان اہلِ اسلام کی مصیبت پر خوش ہونا نفاق ہے۔ امر مقدر کسی احتیاط سے نہیں رُکتا۔ عقل و تدبیر پر بھروسہ رکھنا کفر ہے۔ اگرچہ ہر کام کی تدبیر کرنی لازم ہے، اچھائی بُرائی اور دُکھ سُکھ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی مقرر کر دیا ہے جو لامحالہ پہنچ کر رہے گا۔ اللہ تعالیٰ (مسلمانوں) کا حامی اور مددگار ہے۔ اُسی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ

تم کہہ دو کہ ہمارے حق میں تو تم دو بھلائیوں میں سے ایک کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر

يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ

ہیں کہ اللہ اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سے تم پر کوئی عذاب ڈالے لہٰذا تم منتظر رہو ہم بھی

مُتَرَبِّصُونَ ○ قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنْتُمْ

تمہارے ساتھ منتظر ہیں کہہ دو کہ تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے قبول ہرگز نہ ہوگا بلاشبہ تم

toobaafoundation.com

قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمۡ اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ

نافرمان قوم ہو اور اُن کے خرچ کی قبولیت سے مانع صرف یہ بات ہے کہ وہ

كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ

اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں مانتے اور نماز کو آتے ہیں تو الکساتے ہوئے اور اگر خرچ

اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ۝

کرتے ہیں تو بُرے دل سے

تفسیر یہ بھی سابق آیات کا ضمیمہ ہے۔ اوپر کی آیت میں تین مضمون بیان فرماتے تھے (۱) مسلمانوں کی مصیبت میں منافقوں کا خوش ہونا اور خوش ہو کر بطور شیخی کے یہ بات کہنا کہ ہم نے تو پہلے سے ہی اپنے بچاؤ کی تدبیر کر لی تھی ہم اس بات سے پہلے ہی واقف تھے (۲) مسلمانوں کی کامیابی و فتح پر منافقوں کا رنجیدہ ہونا (۳) مسلمانوں کو ہدایت اور اللہ پر بھروسہ رکھنے کی تلقین اور اس بات کی صراحت کہ اچھا برا دکھ سکھ سب اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ مقدر کا لکھا پورا ہوتا ہے۔ اب ان آیات میں بیان فرماتا ہے کہ: مسلمانوں کا ہر حالت میں فائدہ ہے اور منافقوں کا ہر صورت نقصان۔ اہل نفاق مسلمانوں کی مصیبت اور شکست سے خوش ہوتے ہیں اور اس کو مسلمانوں کا ضرر خیال کرتے اور اپنے بچ جانے کو اپنے لئے فائدہ جانتے ہیں مگر ان کا یہ خیال واقعہ کے خلاف ہے۔ مسلمان کا کسی وقت نقصان نہیں ہوتا۔ لڑائی کا انجام مسلمانوں کے لئے بہر حال اچھا ہوتا ہے۔ فتح پائی تو غازی ہوا ثواب کمایا، مارا گیا تو شہید ہوا۔ رہے منافق تو وہ بہر حال نقصان میں ہیں یا تو مسلمانوں کے ہاتھوں برباد ہوئے یا کسی غیبی مصیبت میں مبتلا ہوئے۔ مرنا اور بچنا دونوں اُن کے لئے ضرر رساں ہیں اور اس کی وجہ محض اُن کا نفاق اور قلبی کفر اور اعمال کی ریا کاری ہے۔ نماز پڑھتے ہیں دکھاوٹ کی ایمان اور اسلام کا اقرار کرتے ہیں تو دکھاوٹ کے لئے باطن میں منکر اور ظاہر میں مقر۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی طرف سے کسی قسم کی مالی امداد بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ اگر یہ لوگ بطور خود بغیر مانگے کچھ دیں گے تب بھی دکھاوٹ کے لئے اور مانگنے کے بعد با دل ناخواستہ کچھ دیں گے تب بھی دکھاوٹ کے لئے۔ بہر حال ان کی ہر قسم کی مالی امداد مردود ہے۔

مقصود بیان مسلمانوں کو جہاد کی مدلل ترغیب، اس بات کی طرف ایماء کہ منافقین مسلمانوں کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جائیں۔ اس امر کی صراحت کہ ریا کاری اور نفاق کی کوئی عبادت اور کوئی مالی اعانت قبول نہیں ہو سکتی۔ وغیرہ

ہدایت خاص بظاہر شبہ ہوتا ہے کہ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اور وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ یہ دونوں آیات باہم متضاد ہیں۔ پہلی آیت سے مترشح ہوتا ہے کہ اہل نفاق بخوشی خاطر بھی کبھی صدقات و زکوٰۃ دیتے تھے اور دوسری آیت بصراحت دلالت کر رہی ہے کہ بغیر ناگواری اور مجبوری کے ایک پائی راہ خدا میں نہ دیتے تھے۔ لیکن یہ شبہ محض سطحی ہے۔ گہری نظر کے بعد کوئی تضاد باقی نہیں رہتا کیونکہ اول آیت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ تم بخوشی مسلمانوں کی مالی امداد کرتے ہو تب بھی تمہاری امداد قابل قبول نہیں۔ حالانکہ تمہارے اعمال ریا کاری پر مبنی ہیں۔ اقرار ایمان، نماز، جہاد وغیرہ سب دکھاوٹ کے لئے ہیں۔ تمہارے دلوں میں نفاق ہے پھر کس طرح یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ تمہاری مالی امداد خلوص پر مبنی ہے اور تم خوشی سے دے رہے ہو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا کا مطلب یہ ہے کہ تم بغیر مانگے دو یا طلب کے بعد بہر حال تمہاری امداد مردود ہے کیونکہ خلوص سے خالی ہے۔ بلوغ اللہ کی آیت اسی کی مؤید ہے۔

toobaafoundation.com

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَآ أَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي

پس تم کو اُن کا مال و اولاد تعجب میں نہ ڈالے بات یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے دنیوی زندگی میں اللہ اور

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُونَ ۝

ان کو عذاب دینا چاہتا ہے اور کفر کی حالت میں اُن کی جانیں نکلنے کا (وہ خواستگار ہے)

تفسیر عموماً دنیا پرست طبقہ مرفہ الحال اور فارغ البال ہوتا ہے۔ سیدھے سادے مسلمان اُن کی دولتمندی اور آسودگی سے مرعوب ہو جاتے ہیں اور بعض آدمی تو شبہ کرنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کے مقبول بندے ہیں اور ہم پر خدا کا عتاب ہے ورنہ یہ اس قدر بے غم اور ہم اتنے بدحال کیوں ہوتے۔ رسول پاک کو اگرچہ اس طرح کا شبہ ہونا ممکن نہ تھا مگر عام مسلمان باقتضائے بشریت بچ نہ سکتے تھے۔ اُدھر منافق بھی اپنی مالداری پر مغرور ہو کر عام لوگوں پر رعب جمانا چاہتے تھے اس لئے خدا تعالےٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافقوں کی دولتمندی اور کثرتِ اولاد در حقیقت رحمت نہیں بلکہ زحمت ہے۔ لوگ اس کو سُکھ جانتے ہیں اور واقع میں یہ دُکھ ہے کیونکہ اہلِ نفاق ثوابِ آخرت کے تو امیدوار ہی نہیں۔ اُن کے نزدیک جو کچھ ہے دنیا ہے۔ محنت، مصیبت اور سخت تکالیف برداشت کرنے کے بعد مال جمع کرتے ہیں۔ پھر اس میں سے بادلِ ناخواستہ زکوٰۃ ادا کرتے، صدقات دیتے اور مسلمانوں کی امداد کرتے ہیں جس سے اُن کو قلبی تکلیف پہنچتی ہے۔ اسی طرح اولاد کو پالتے، کھلاتے پلاتے اور ہر طرح کی نگرانی کرتے ہیں لیکن اسی اولاد میں سے کچھ لوگ مر جاتے اور کچھ پختہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے بھی اُن کے دل کو دُکھ پہنچتا ہے۔ غرض یہ کہ مال و اولاد اُن کے جیتے جی کے لئے عذاب ہے اور مسلمانوں کی حالت ایسی نہیں۔ وہ ہر تکلیف کو موجبِ رحمت اور باعثِ ثوابِ آخرت جانتے ہیں۔ پھر یہ دُکھ فقط زندگی ہی کا نہیں ہے مرنے کے وقت ان کی رُوح مال و اولاد میں اٹکی رہتی ہے گویا موت بھی چین کی نصیب نہیں ہوتی۔ ایسی دولتمندی اور کثرتِ اولاد کو پسند کرنا اور مستحسن جاننا غلط ہے۔ علامہ زمخشری کہتے ہیں کہ آیت اِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ سے مراد استدراج ہے۔ یعنی باوجود معصیت کے اللہ تعالیٰ منافقوں کو نعمت پر نعمت عطا فرماتا ہے۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ منافقوں کو دنیا و آخرت میں دُکھ پہنچے۔ خطیب کا قول ہے کہ باوجود کفرانِ نعمت کے اگر کوئی شخص دولتمند اور کثیر الاولاد ہو تو اس کے حق میں اس مالداری اور کثرتِ اولاد کو وبال و عذاب سمجھنا چاہئے۔

مقصودِ بیان اس بات کی صراحت کہ دنیا میں عیش و تنعم اور کثرتِ اولاد موجبِ فضیلت نہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مالدار آدمی خدا کا منظورِ نظر اور نادار شخص موردِ عتاب ہے بلکہ اللہ تعالےٰ اپنی نعمتیں کبھی ہلاک کرنے اور عذابِ ابدی پہنچانے کے لئے بھی عطا کرتا ہے۔ مالداری انسان کو کبھی تباہ کر دیتی ہے۔ مرتے وقت جان بھی مال میں اٹکی رہتی ہے۔ ایسی مالداری قابلِ استحسان نہیں۔ وغیرہ

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ ۝

یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم تم میں شامل ہیں حالانکہ وہ تم میں شامل نہیں بلکہ ڈرپوک قوم ہے

لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغٰرٰتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ۝

اگر ان کو کوئی پناہ کی جگہ یا غار یا گھس بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے تو منہ پھیر کر باگیں اُٹھائے ہوئے اس کی طرف دوڑ پڑیں

toobaafoundation.com

تفسیر منافقوں کو اندیشہ ہے کہ اگر اظہارِ اسلام نہ کریں گے تو مسلمان اُن کی مخالفت اور سرپرستی نہ کریں گے بلکہ دوسرے کافروں کی طرح سمجھیں گے اور اُن کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں گے جیسا دیگر مشرکوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسی ڈر کی وجہ سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے۔ نمازیں پڑھتے، زکوٰۃ دیتے، ارکانِ اسلامی کی پابندی کرتے تھے مگر دل میں مسلمانوں سے سخت نفرت کرتے اور اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرتے رہتے تھے۔ اسی مضمون کو آیتِ مذکورہ میں بیان فرمایا کہ اہلِ نفاق چونکہ تم سے ڈرتے ہیں اس لئے اللہ کی انتہائی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ ہم بھی تم ہی میں سے ہیں۔ جیسے تم مخلص مسلمان ہو ہم بھی سچے مسلم ہیں۔ مگر واقع میں وہ مسلمان نہیں۔ ایسی باتیں تو صرف ڈر کی وجہ سے کہتے ہیں ورنہ اگر اُن کو کوئی پناہ کی جگہ یا بچاؤ کا کوئی اونچا نیچا مقام مل جائے تو فوراً بھاگ کر وہاں پناہ گیر ہو جائیں گے اور تمہاری طرف رُخ بھی نہ کریں گے۔

حدیث میں وارد ہے کہ جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھانا بستیوں کو اُجاڑ دیتا ہے۔ جھوٹی بات کہنے کو حدیث میں منافق کی علامت بتایا گیا ہے۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ دورُخا آدمی سب سے بُرا آدمی ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کی بدترین حالت کا بیان۔ مسلمانوں کو درپردہ ہدایت کہ تم اُن کی پختہ قسموں پر بھروسہ کر کے اُن کو مخلص مومن نہ سمجھ لینا یہ سخت ترین دشمن ہیں۔ ضمنی طور پر اہلِ اسلام کو نفاق اور دوغلے پن سے بچنے کی طرف اشارہ۔ وغیرہ

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ

اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو تقسیم خیرات کے بارے میں تم پر طعن کرتے ہیں اگر اُن کو خیرات میں سے دے دیا جائے تو راضی ہوتے ہیں

يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ۝ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

اور نہ دیا جائے تو ناخوش ہو جاتے ہیں اگر وہ اسی پر راضی رہتے جو اللہ اور اس کے رسول نے انکو دیا ہے

وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى

اور کہتے ہیں کہ ہم کو اللہ کافی ہے آگے کو اللہ اپنے فضل سے اور اُس کا رسول ہم کو بہتیرا دے گا ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں تو

ع ۷ ۱۳ اللَّهِ رَاغِبُونَ ۝ ع

کیا اچھا ہوتا

تفسیر ان آیات کا سببِ نزول مختلف اہلِ تفسیر و روایت نے مختلف واقعات کو قرار دیا ہے، لیکن مآل سب کا ایک ہی ہے۔ ہم مختصر لکھتے ہیں:-

بخاری، نسائی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن مردویہ اور ابو الشیخ وغیرہ محدثین نے بروایت ابوسعید خدریؓ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے۔ اتنے میں ذوالخویصرہ کا بیٹا (جس کا نام حرقوص تھا۔ ابن کثیر نے یہی بیان کیا ہے لیکن مفسر حقانی نے حرقوص بن زہیر کہا ہے اور ذوالخویصرہ حرقوص کا لقب قرار دیا ہے) آیا اور عرض کیا یارسول اللہ انصاف سے تقسیم کیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر میں عدل نہیں کرتا تو اور کون عدل کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یارسول اللہ! اجازت دیجئے کہ اس بے ادب کی گردن مار دوں۔ ارشاد فرمایا رہنے دو اس کے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جن کی نمازوں کے سامنے تم لوگ اپنی نمازیں اور اُن کے روزوں کے سامنے تم لوگ اپنے روزے حقیر سمجھو گے۔ لیکن اس کے باوجود وہ لوگ اسلام سے ایسے باہر ہوں گے جیسے کمان سے تیر۔ لہٰذا اُن کو تم جہاں کہیں پاؤ تو قتل کر ڈالنا۔ زیرِ آسمان تمام مقتولوں سے وہ بدتر ہوں گے الخ۔

ابن مردویہ نے بروایت ابن مسعودؓ بیان کیا ہے کہ جب حضور اقدسؐ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص بولا یہ تقسیم اللہ کی رضا کے لئے نہیں ہوئی

toobaafoundation.com

حضورؐ نے فرمایا اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے۔ ان کو اس سے زیادہ ایذا دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔
ابن کثیر نے بروایت قتادہ بیان کیا کہ رسول پاک مال غنیمت تقسیم کررہے تھے کہ ایک نومسلم بدوی آیا اور کہنے لگا محمدؐ! اگرچہ تم کو عدل کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو واللہ تم نے عدل نہیں کیا۔ حضورؐ نے فرمایا ارے تو پھر میرے سوا کون عدل کرے گا۔ اس کے بعد حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا لوگو! اس سے اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے پرہیز رکھنا۔ میری امت میں ایسے لوگ ہوں گے جو قرآن کی تلاوت کریں گے مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہ اُترے گا۔ جب یہ لوگ خروج کریں تو ان کو قتل کردالنا۔ یہ حکم حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا۔
واقعہ یہ تھا کہ حنین کا مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت حضورؐ والا نے اہلِ مکہ کو زیادہ زیادہ دے کر اُن کی تالیفِ قلوب فرمائی تھی۔ اس پر کچھ دنیا پرست بے دین منافقوں نے اعتراض کیا۔ بروایت کلبی جواظ نامی منافق بولا کہ لوگو! دیکھو تمہارا سردار بکریاں چرانے والوں کو مالِ غنیمت بانٹ رہا ہے اور عدل کا دعویٰ کرتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اور بے پدر! کیا موسیٰؑ چرواہا نہ تھا اور کیا داؤدؑ چرواہا نہ تھا۔ ابو بکر اصم نے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے کہ حضورؐ اقدس نے ایک صحابیؓ سے فرمایا تم فلاں شخص سے واقف ہو؟ صحابیؓ نے عرض کیا حضورؐ! مجھے اتنا معلوم ہے کہ آپؐ اپنی مجلس میں اس کو اپنے قریب بٹھاتے اور بہت کچھ مال عطا فرماتے ہیں۔ ارشاد فرمایا! ہاں وہ منافق ہے۔ اُس کا نفاق دُور کرنے کے لئے مدارات کرتا ہوں اور یہ بھی غرض ہے کہ وہ اوروں کے دلوں میں فساد نہ ڈالے۔ الحدیث۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں منافقوں کی قبیح حالت کا اظہار کیا ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ بعض اہلِ نفاق تقسیم صدقات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اگر خواہش کے موافق اُن کو مال دے دیا جائے تو راضی رہتے ہیں ورنہ ناراض ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ مناسب تو یہ تھا کہ اللہ اور رسولؐ کے حکم پر راضی رہتے اور خدا و رسولؐ کی مرضی پر خوش ہوتے اور اللہ کی خوشنودی کو اپنا مرکزِ توجہ اور مآلِ زندگی قرار دیتے۔ بجائے مال کے اللہ کو اپنا کفیل اور کارساز جانتے اور اس بات کا یقین رکھتے کہ یہ مال بے مقدار چیز ہے۔ اللہ اپنے فضل سے اور رسول اللہ اپنی عنایت سے آئندہ ہم کو بہت کچھ عطا کریں گے مگر انھوں نے ایسا نہ کیا اور مالِ حقیر کو غایتِ مقصود قرار دے لیا۔

مقصودِ بیان منافقوں کی حالتِ سقیمہ کا اظہار، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال و معاملات پر نکتہ چینی کرنے سے درپردہ باز داشت، اس امر کی صراحت کہ اللہ اور رسولؐ پر بھروسہ رکھنا اور اُن کی مرضی پر راضی رہنا مسلمانوں کا اولین فرض ہے۔ اس بات کی بشارت و پیشین گوئی کہ آئندہ مالِ غنیمت بہت کچھ حاصل ہوگا اور مسلمانوں کو فتوحات نصیب ہوں گی۔ وغیرہ

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَٰكِينِ وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ
زکوٰۃ تو حق ہے صرف فقیروں کا محتاجوں کا اور اُن کارکنوں کا جو خیرات پر تعینات ہوں اور اُن لوگوں

قُلُوبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغَٰرِمِينَ وَفِى سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ
کا جن کے دلوں کو ملانا غرض ہو اور بردوں کو آزاد کرانے کا اور قرضداروں کے قرضہ کی ادائیگی کا اور راہِ خدا میں صرف کرنے کا اور مسافروں کو

فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝
دینے کا یہ حکم اللہ کا فرض کیا ہوا ہے اور اللہ جاننے والا۔ صاحبِ تدبیر ہے

تفسیر بعض کج اندیش گمان کرسکتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت اپنے اعزا و اقارب اور خاص خاص دوستوں کو دینا چاہتے ہیں اس لئے منافقوں کو نہیں دیتے۔ اس آیت میں مصارفِ زکوٰۃ و صدقات کی تفصیل بیان کرکے مذکورہ وہمِ باطل کا ازالہ فرمادیا۔

toobaafoundation.com

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ رسول اللہ نائبِ خدا ہیں۔ اپنے اور اپنے اقارب کے لئے نہیں بلکہ جن کو شرعاً مالِ زکوٰۃ دینا چاہئے اُن کو دیتے ہیں۔ مصارفِ زکوٰۃ آٹھ ہیں:۔ فقرا[1]۔ مساکین[2]۔ زکوٰۃ[3] وصول کرنے کے ملازم وہ لوگ[4] جن کی تالیفِ قلوب اسلامی نقطۂ نظر کے ماتحت مقصود ہو۔ قرضدار[6]۔ غلاموں[5] کی آزادی۔ راہِ[7] خدا میں جہاد کرنے والے۔ مسافر[8]۔

چونکہ مصارفِ زکوٰۃ کے متعلق علمائے تفسیر و فقہ کا بسیط اختلاف ہے اور بغیر تفصیل کے اصل مبحث سمجھ میں نہیں آسکتا اس لئے بطورِ اختصار ہم ہر مصرف کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں:۔

نمبر (۱) و (۲) یعنی فقراء و مساکین۔ فقیر و مسکین کے معنی کی توضیح میں علماء کا اختلاف ہے۔ ابن سکیت، قتیبی، یونس بن حبیب کا قول ہے کہ فقیر کی حالت مسکین سے اچھی ہوتی ہے۔ ابو حنیفہؒ اور احمدؒ کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام لغت اصمعی، طحاوی، علمائے کوفہ اور اکثر اصحاب شافعیؒ کے نزدیک مسکین کی حالت فقیر سے اچھی ہوتی ہے۔ ابو یوسف اور اصحاب مالک کے نزدیک دونوں کا درجہ مساوی ہے۔ ابن عباس، حسن بصری، عکرمہ اور مجاہد سے مروی ہے کہ فقیر وہ محتاج ہے جو عفیف ہو یعنی کسی سے سوال نہ کرے اور محتاج سائل کو مسکین کہتے ہیں۔ ابن جریر نے اسی روایت کو پسند کیا ہے۔ لیکن حدیث لاتحل الصدقة سے مستنبط ہوتا ہے کہ فقیر اُس محتاج کو کہتے ہیں جو کمانے پر قادر نہ ہو۔ غالباً اسی بنا پر قتادہ نے فرمایا ہے کہ فقیر وہ محتاج ہے جو اپاہج ہو۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا! مسکین وہ نہیں جو لقمہ دو لقمہ دے کر ٹال دیتا ہے۔ بلکہ مسکین وہ ہے جو بقدرِ ضرورت نہیں پاتا اور نہ اُس کے حال سے لوگ واقف ہوتے ہیں کہ کوئی اس کو صدقہ دے سکے اور نہ وہ کسی سے مانگتا ہے (الحدیث فی الصحیحین)

نمبر (۳) زکوٰۃ کا کام کرنے والے خواہ مالدار ہوں یا نہ ہوں بہرحال مستحقِ اُجرت ہیں۔ اُن کی اُجرت اموالِ صدقات میں سے دی جائے گی۔ عامل کا لفظ عام ہے خواہ زکوٰۃ وصول کرنے والا ہو یا کاتب یا عشر وصول کرنے والا یا محاسب یا خزانچی یا اربابِ استحقاق کو پہنچانے والا۔

نمبر (۴) مؤلفۃ القلوب۔ ان میں مندرجۂ ذیل اشخاص داخل ہیں:۔ (الف) وہ اشراف کفار جن کو مال دے کر اسلام کی طرف مائل کرنا مقصود ہو جس طرح صفوان بن اُمیّہ کو غنیمت حنین میں سے حضورِ اقدسؐ نے کچھ مال عطا فرمایا تھا باوجودیکہ صفوان اس وقت تک مسلمان نہ ہوا تھا۔ صفوان نے خود بیان کیا کہ حنین کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطیہ دیا۔ باوجودیکہ اُس زمانہ میں میں حضورؐ سے بہت زیادہ نفرت کرتا تھا۔ اس کے بعد بھی برابر مجھ پر عطایا کی بارش رہی یہاں تک کہ حضورؐ کی ذاتِ گرامی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو گئی۔ (رواہ مسلم)

(ب) وہ ضعیف الاسلام اشخاص جن کو اسلام پر پختہ کرنے کے لئے کچھ دیا جائے جس طرح حضورؐ والا نے طلقائے قریش کو بروزِ حنین سَو سَو اونٹ عطا فرمائے۔ حدیث میں آتا ہے کہ میں بعض آدمیوں کو دیتا ہوں باوجودیکہ دوسرے لوگ مجھے اُن سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ اُن کو جہنم میں اوندھے منہ نہ ڈال دے۔

(ج) وہ لوگ جن کو مال دینے سے غرض یہ ہو کہ اُن کے اور ہمسر مسلمان ہو جائیں۔ جس طرح حضورِ اقدسؐ نے عیینہ بن حصن، عباس بن مرداس اور اقرع بن حابس سردارانِ بنو تمیم کو عطا فرمایا تھا۔ اسی کے متعلق عباس نے یہ شعر کہا:۔

اتجعل نهبي ونهب العبيد بين عيينة والاقرع

(د) وہ کفار جن کو کچھ مال دیا جائے اور وہ ایسے مقام کے رہنے والے ہوں جس کی سرحد دارالاسلام سے ملی ہوئی ہو اور اُن کو دینے سے مقصود یہ ہو کہ اہلِ اسلام ان کی شرارت سے محفوظ رہیں۔

(ہ) وہ لوگ جن کو صرف اس لئے دیا جائے کہ وہ ان لوگوں کو جا کر زکوٰۃ ادا کرنے کی ترغیب دیں جو زکوٰۃ ادا نہ کرتے ہوں۔

مؤلفۃ القلوب کے اقسام بیان کرنے کے بعد ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ کیا اب بھی مالِ زکوٰۃ مؤلفۃ القلوب کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ مفسر سراج کا قول ہے کہ قسمِ اول کو اب کچھ نہ دیا جائے گا۔ اب اُن کی تالیف کی حاجت نہیں رہی۔ حضرت عمرؓ، عامر، شعبی اور ایک جماعت کا یہی قول ہے۔ رویانی بھی اسی کے قائل ہیں۔ بعض حنفیہ نے اس پر اجماع ہونا بیان کیا ہے۔ لیکن اہلِ اسلام کی ایک بڑی جماعت جواز کی قائل ہے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک نمبر (الف) و (د) کو اب کچھ دینا جائز نہیں اور باقی اقسام کو دینا جائز ہے۔ زہری کہتے ہیں کہ اول الذکر قسم کا منسوخ ہونا مجھے

toobaafoundation.com

معلوم نہیں ہوا۔ اسی پر ماوردی نے فتویٰ دیا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کے تمام اقسام ساقط الحقہ ہیں۔

نمبر (۵) غلاموں کو آزاد کرانا یعنی جن غلاموں کو ان کے مالکوں نے اس قسم کی کوئی تحریر دے دی ہو کہ اگر تم اس قدر روپیہ ہم کو دے دو گے تو آزاد ہو جاؤ گے اور غلاموں کو اتنا مال میسر نہ آتا ہو تو ایسے لوگوں کو بدل کتابت اموالِ صدقات و زکوٰۃ سے دے کر غلاموں کو آزاد کرایا جائے۔ یہ تفسیر حسن بصریؒ، مقاتل، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نخعی، زہری ابن زید، ابوموسیٰ اشعری، ابوحنیفہ، شافعی، لیث بن سعد اور اکثر فقہاء سے مروی ہے۔ ابن عباسؓ، ابن عمر، احمد اور اسحاق وغیرہ کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ غلام و باندی کو خرید کر آزاد کیا جائے۔

محققین کا قول ہے کہ آیت دونوں قسموں کو شامل ہے۔ لہٰذا عمومی مطلب مراد لینا اولیٰ ہے، مگر شرط یہ ہے کہ غلام و باندی مسلمان ہوں۔
بیضاوی نے فکِ رقاب کی ایک صورت یہ بھی بیان کی ہے کہ جو مسلمان کافروں کی قید میں ہوں ان کا عوض کافروں کو دے کر رہا کرایا جائے۔

نمبر (۶) قرضداروں کو دینا۔ اس کی چند صورتیں ہیں۔ کسی مسلمان نے کسی جائز کام کے لئے قرض لیا اور ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا یا گناہ کے کام کے لئے لیا تھا اور پھر توبہ کر چکا یا مسلمانوں میں باہم صلح کرانے کے لئے قرض لیا۔ اگرچہ خود بھی مالدار ہے۔ ان تینوں صورتوں میں اموالِ زکوٰۃ اور صدقات سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا۔ تفسیر سراج و معالم وغیرہ میں ہے کہ غارمین یعنی قرضداروں کی تین قسمیں ہیں:- ایک وہ جس نے اپنی ذاتی مصلحت سے قرض لیا۔ دوسرے وہ جس پر تاوانِ ضمانت وغیرہ پڑا۔ تیسرے وہ جس نے کسی فتنہ کو فرد کرنے کے لئے قرض لیا۔ اول الذکر صورت میں اگر جائز کام کے لئے لیا ہے اور ادا کرنے کی طاقت نہیں، یا ناجائز کام کے لئے لیا تھا پھر توبہ کر لی اور ادا نہیں کر سکتا۔ بہرحال اموالِ صدقات میں سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ کما کر ادا کرنے پر قادر ہو۔ مکاتب غلام کا بھی یہی حکم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے قبیصہ بن مخارق سے فرمایا۔ سوال کرنا صرف تین قسم کے لوگوں کے لئے جائز ہے (۱) کسی نے کسی کا بار اٹھایا ہو (۲) وہ شخص جس کے مال پر کوئی آفت آئی ہو اور مال برباد ہو گیا ہو۔ اس کے لئے بھی سوال کرنا حلال ہے یہاں تک کہ قوامِ زندگی اس کو حاصل ہو جائے (۳) وہ شخص جس پر فاقہ ہو اور اس کی قوم کے تین آدمی کہہ دیں کہ فلاں شخص فاقے کرتا ہے۔ ان اقسام کے علاوہ جس نے سوال کر کے کھایا اس نے حرام کھایا (رواہ مسلم)

نمبر (۷) راہِ خدا میں کوشش کرنے والے۔ جمہور کے نزدیک اس سے مراد غازی اور اہلِ جہاد ہیں اگرچہ یہ تونگر ہوں مگر اموالِ صدقات میں سے ان کو دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے نزدیک غازی کو اموالِ صدقات میں سے اس وقت دینا جائز ہے جب وہ فقیر یا منقطع عن الجہاد ہو۔ امام احمد و اسحاق نے حج کو بھی فی سبیل اللہ کی ایک شاخ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ابن عمرؓ کے نزدیک فی سبیل اللہ سے مراد حج و عمرہ کرنے والے ہیں۔

نمبر (۸) مسافر۔ مسافر خواہ تونگر ہو لیکن بالفعل اس کے پاس اتنا نہ ہو کہ وطن تک پہنچ سکے اگرچہ اس کو قرض مل سکتا ہو۔ بہرحال اموالِ صدقات میں سے اس کو اتنا دیا جائے گا جس سے وہ گھر پہنچ سکے۔ امام مالکؒ کہتے ہیں اگر تونگر مسافر کو وطن پہنچنے تک کا کرایہ قرض مل سکتا ہو تو اس کو کچھ نہیں دیا جائے۔ امام محمد اور فقہائے عراق کے نزدیک ابن السبیل سے وہ حاجی مراد ہیں جن کے پاس سفر میں کچھ نہ رہا ہو۔ واللہ اعلم۔

چند مسائل و شرائط

مسلمانوں دو رقہ کے اقسامِ ثمانیہ میں شرط یہ ہے کہ لینے والا مسلمان ہو اور ہاشمی و مطلبی نہ ہو۔ آیت میں اگرچہ یہ شرط مذکور نہیں مگر احادیث نے تخصیص کر دی ہے۔ خود رسولِ پاک ﷺ نے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے صدقہ کا مال کبھی نہیں لیا اور فرمایا یہ لوگوں کا میل کچیل ہے محمدؐ اور آلِ محمد کے لئے حلال نہیں۔ حسنینؓ میں سے کسی نے بمقتضائے طفولیت صدقہ کا کوئی چھوارہ منہ میں رکھ لیا تھا تو حضورؐ والا نے کخ کخ کہہ کر اگلوا دیا تھا۔

ان صورتوں کو مستثنیٰ کرتے ہوئے جن کو ہم نے اوپر ذکر کر دیا مالِ صدقہ اس شخص کو دیا جائے گا جو دولتمند نہ ہو اور کمائی کی قوت نہ رکھتا ہو۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ غنی اور کمائی کی طاقت رکھنے والے کے لئے صدقہ حلال نہیں (رواہ احمد و اہل السنن) ایک اور حدیث میں آتا ہے حضورؐ نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مالداروں سے صدقہ لے کر تمہارے محتاجوں کو تقسیم کروں۔ اہلِ صدقات کے مسلمان ہونے کی شرط بھی احادیث کی رو سے دکھائی گئی ہے۔ کیونکہ کفار سے جب زکوٰۃ و صدقات وصول نہیں کئے جاتے تو ان کو دیئے بھی نہیں جا سکتے۔

اگر آٹھوں مصارفِ زکوٰۃ موجود ہوں تب بھی امام المسلمین کے لئے جائز ہے کہ چاہے آٹھوں اصناف کو تھوڑا تھوڑا دیدے یا بعض اصناف کو سب

toobaafoundation.com

دیدے اور بعض کو کچھ نہ دے۔ حضرت عمرؓ، حذیفہؓ، ابن عباسؓ، ابو العالیہ، سعید بن جبیرؒ، میمونؒ، ابو حنیفہؒ، مالکؒ اور احمدؒ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر نے عام علماء کا یہی قول بیان کیا ہے۔ امام مالکؒ نے اس پر اجماع ہونا نقل کیا ہے۔ بقول ابن عبد البر اجماع صحابہ ہے۔

شافعیؒ کے نزدیک کل اصناف کو تقسیم واجب ہے اور بصورتِ تعذر کم از کم تین اصناف دینا تو لازم ہی ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کے اس شبہ کا ازالہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اعزا و اقارب کو مالِ غنیمت دیتے ہیں۔ اس امر کی طرف اشارہ کہ منافق اہلِ استحقاق نہیں۔ گویا منافقوں کی طمع کی جڑ کاٹ دی۔ اس امر کی صراحت کہ مصارفِ صدقہ یہی اصناف ہیں۔ ان کے علاوہ کسی اور کو دینا رسول کے اختیار میں بھی نہیں۔ اس سے درپردہ اس بات کی طرف بھی ایماء ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالِ غنیمت کی تقسیم بر تجویز خود نہیں کرتے بلکہ خدا تعالیٰ کے حکم سے مصارف مقرر ہیں انہیں کو حضورؐ دیتے ہیں۔ وغیرہ

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ

ان ہی میں سے بعض لوگ نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص کان ہے تم کہہ دو کہ تمہارے

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا

بھلے کے لئے کان ہیں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمانوں کا یقین کرتے ہیں اور تم میں سے جو لوگ ایمان لائے ہیں اُن کے لئے

مِنكُمْ ۚ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ○

رحمت ہیں اور جو لوگ رسولِ خدا کو ایذا دیتے ہیں اُن کے لئے دردناک عذاب ہے

تفسیر منافقوں کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی بدگوئی کوئی پسِ پشت ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالتی تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ انھوں نے کچھ غیبت کی تو بعض لوگوں نے کہا ایسی باتیں نہ کرو ایسا نہ ہو کہ اُن کو خبر پہنچ جائے۔ جلاس بن سوید یا نبتل بن حارث بولا کچھ ڈر نہیں اگر اُن سے کوئی جا کر کہہ دے گا تو ہم بھی جاکر قسم کھا کر انکار کر لیں گے اُن کے تو فقط کان ہیں جیسا کسی نے کہہ دیا مان لیا کوئی ہماری شکایت کرے گا وہ سُن کر یقین کر لیں گے پھر ہم جاکر انکار کر دیں گے اس کا یقین کر لیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اہلِ نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتے ہیں، آپؐ کی غیبت کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ اُن کے تو فقط کان ہیں جو کچھ کہہ دو سُن لیتے ہیں تم کیوں ڈرتے ہو۔ خدا تعالیٰ اس کے رد میں فرماتا ہے کہ ہاں وہ کان ضرور ہیں مگر تمہاری بہتری اور بھلائی کے لئے ہیں شر اور فساد پیدا کرنے والی باتوں کو نہیں سنتے بلکہ بھلائی کی باتوں کو سنتے ہیں۔ اللہ پر ان کا ایمان ہے اور اہلِ ایمان کی باتوں کو سچ جانتے ہیں۔ یعنی منافقوں کے قول کو جھوٹ سمجھتے ہیں لیکن دانستہ چشم پوشی کرتے ہیں تمہارے نفاق سے ناواقف نہیں ہیں اور تم میں سے جو لوگ کامل الایمان اور صادق الاسلام ہو جاتے ہیں اُن کے لئے رحمتِ مجسم ہیں۔ غرض یہ کہ تمہاری ذات سے ان کو دشمنی نہیں بلکہ تمہارے نفاق و کفر سے ہے وہ چاہتے ہیں کہ تمہارا نفاق جاتا رہے اور تم سچے مسلمان ہو جاؤ۔

مقصودِ بیان منافقوں کو تنبیہ کہ تمہاری باتوں کا علم رسول اللہ کو ہو جاتا ہے لہٰذا بدگوئی سے باز رہو۔ اس امر کی صراحت کہ بہتری اور صلاح پیدا کرنے والی باتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہیں اور فساد پھیلانے والی باتوں کو نہیں سنتے اس بات کی طرف اشارہ کہ مسلمانوں کی بات کا یقین کرنا چاہیے۔ رسول اللہ بھی مسلمان کی بات کو صحیح سمجھتے تھے۔ گویا اس امر پر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو کبھی خلافِ واقعہ کوئی جھوٹی بات نہ کہنی چاہیے۔ اس بات کی تصریح کہ مسلمانوں کے لئے رسولِ پاکؐ رحمتِ مجسم تھے۔ حضورؐ کو کسی کی ذات سے عناد نہ تھا۔ بلکہ ہر مسلمان

toobaafoundation.com

کیونکہ آپ رحمت تھے اور کافروں کی اصلاح کے خواستگار تھے۔ وغیرہ

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ ۚ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ

تمہارے خوش کرنے کو تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ اللہ اور اُس کا رسول رضامند رکھنے کا زیادہ حقدار ہے بشرطیکہ

كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ

یہ مومن ہوں کیا ان کو معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اُس کے لئے

نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝

دوزخ کی آگ مخصوص ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہی بڑی رسوائی ہے

تفسیر ابن کثیر وغیرہ نے بروایت قتادہ وسدی بیان کیا ہے کہ منافقوں کی جماعت میں جلاس بن سوید و دیعہ بن ثابت وغیرہ اہلِ نفاق نے ایک روز کہا واللہ ہمارے یہ لوگ تو بہت افضل واشرف ہیں لیکن محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں اگر وہ سچ ہو تو ہم اس صورت میں گدھوں سے بھی بدتر ہوں گے۔ اس گفتگو کے وقت ایک انصاری نوجوان عامر بن قیسؓ بھی وہاں موجود تھے۔ لیکن ان کی کم عمری کو دیکھتے ہوئے منافقوں نے ان کا کچھ خیال نہ کیا۔ جب منافقوں کے ناشائستہ کلمات اُن سے نہ سُنے گئے تو بولے واللہ جو کچھ محمدؐ کہتے ہیں وہ سچ ہے اور بلاشبہ تم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہو۔ پھر وہاں سے آکر حضور اقدسؐ سے کل ماجرا عرض کردیا۔ حضورؐ نے منافقوں کو بلایا اور واقعہ دریافت کیا۔ منافق قسمیں کھاگئے کہ ہم نے ہرگز ایسا نہیں کہا اور جس نے کہا اُس پر اللہ کی لعنت۔ حضورؐ نے اُن کی اس قدر محکم قسموں کو تسلیم کرلیا اور عامرؓ کی طرف کچھ التفات نہ کی اس پر عامرؓ شکستہ خاطر ہوگئے اور دعا مانگی۔ پروردگار تو سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا ظاہر کردے۔ اُس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ممکن ہے کہ مذکورۂ بالا آیات اور ان آیات کی شانِ نزول متعلق ہو اور ان دونوں آیات کا نزول بھی ساتھ ہی ہوا کیونکہ دونوں قصے اور مطلب بہرحال مربوط ہیں۔ آیات کا مطلب واضح ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کی مخفی حالت کا اظہار؛ اُن کو خلوصِ ایمان کی ترغیب، اللہ و رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کی تعلیم، خدا اور رسولؐ کی مخالفت کرنے پر عذاب کی وعید، معصیتِ خالق میں مخلوق کی رضاجوئی کی ممانعت وغیرہ۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ ۚ

منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں مسلمانوں پر کوئی سورت نازل ہوکر ان کی دلی باتوں کی خبر نہ دے دے

قُلِ اسْتَهْزِءُوا إِنَّ اللَّهَ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ۝ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ

تم کہہ دو کہ اچھا ٹھٹھے کرتے رہو جس بات کا تم کو ڈر ہے اللہ اُس کو ظاہر کرے گا اگر تم اُن سے کچھ دریافت کرو

لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ

تو کہیں گے ہم تو صرف ایک مشغلہ اور کھیل کر رہے تھے تم کہہ دو کہ کیا تم اللہ اور اس کے احکام اور اس کے رسولؐ کے

toobaafoundation.com

تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ

ساتھ ہنسی کر رہے تھے — بہانے نہ بناؤ — تم ایمان لانے کے بعد کافر ہوچکے — اگر تم میں سے

عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ ع ۷

بعض کو ہم معاف بھی کردیں ۔ تو ایک گروہ کو ضرور سزا دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں

تفسیر محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ جب حضور والا مسلمانوں کی جماعت لے کر تبوک کو تشریف لے جا رہے تھے تو منافقوں کی جماعت بھی ساتھ تھی۔ اثنائے راہ میں ودیعہ بن ثابت اور مخشی بن حمیر وغیرہ منافقین نے آپس میں مسلمانوں کو ڈرانے اور سنانے کے لئے کہنا شروع کیا کہ کیا تم لوگ رومیوں کی بہادری اور دلیری ایسی ہی سمجھتے ہو جیسے عرب آپس میں لڑتے ہیں۔ واللہ ہم کو تو دکھ رہا ہے کہ کل کو لڑائی میں تم لوگ ان کی زنجیروں میں جکڑے پڑے ہوگے۔ مخشی بولا ارے مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری اس گفتگو کے متعلق کہیں قرآن نہ نازل ہو اور مجھے تو یہ پسند ہے کہ تم میں ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں مگر یہ باتیں نہ کرو۔ یہ لوگ اسی خرافات میں مشغول تھے کہ اُدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمار بن یاسرؓ سے فرمایا جاکر قوم کی خبر لو وہ منافقوں کی آگ میں جلی جاتی ہے اور منافقوں سے پوچھنا تم نے کیا باتیں کہی تھیں؟ اگر وہ انکار کریں تو کہنا نہیں تم نے ضرور یہ باتیں کہی تھیں۔ چنانچہ عمارؓ نے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت وہ لوگ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عذر کرنے لگے۔ بعض نے کہا حضورؐ! ہم تو راستہ کاٹنے کے لئے دل لگی کی باتیں کر رہے تھے۔ مخشی بن حمیر جس کا نام بعض اہل تاریخ نے مخش بن حمیر بھی کہا ہے سچے دل سے مسلمان ہوگئے اور دعا مانگی الٰہی مجھے ایسی جگہ شہید کر کہ کسی کو میری قبر بھی نہ معلوم ہو۔ چنانچہ یہ جنگِ یمامہ میں شہید ہوئے۔ ان کی توبہ قبول ہوئی اور عبدالرحمٰن نام مشہور ہوا۔

ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں ستر منافقوں کا ذکر نام بنام کیا تھا پھر اُن کے نام و نسب کو منسوخ کر دیا اور یہ مومنوں پہ رحمت تھی کیونکہ ان کی اولادیں مخلص مومن پیدا ہونے والے تھے۔ یعنی بنظرِ رحمت اُن کے نام منسوخ کر دیئے تاکہ ان کی اولاد کو جو مخلص مومن تھی عار و شرم نہ رہے۔ باقی نزول کے وقت ان کی جو رسوائی اور فضیحت مقصود تھی وہ پوری ہوگئی مسلمانوں کو بھی اُن کے حال سے آگاہی ہوگئی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافقوں کو یہ اندیشہ ہے کہ کہیں قرآن میں کوئی سورت ایسی نہ نازل ہو جائے جس سے اُن کی پول کھل جائے اور دلوں کی نفاق آمیزی ظاہر ہوجائے۔ لہٰذا تم اُن سے کہہ دو کہ تم یونہی اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے رہو جس بات کا تمہیں اندیشہ ہے اس کو اللہ ضرور ظاہر کر کے رہے گا۔ اس پیشین گوئی کا ظہور بار بار ہوتا رہا۔ منافق جو فتنہ انگیزی کی تدبیریں کرتے ان کو اللہ اپنے رسولؐ پر ظاہر کر دیتا۔ چنانچہ تبوک سے لوٹتے وقت رات میں بارہ منافقوں نے ایک گھاٹی پر توقف کیا اور خفیہ مشورہ کر کے طے کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزریں گے تو ہم اچانک خفیہ طور پر اوپر سے پتھر لڑھکا دیں گے۔ حضورِ اقدسؐ کو وحی کے ذریعہ سے اس کا علم ہوگیا اور حذیفہؓ نے بتعمیلِ حکمِ نبویؐ منافقوں کے اونٹوں کو مار کر راستہ سے الگ ہٹا دیا مگر حضرت حذیفہؓ نے کسی کو شناخت نہ کیا۔ پھر حضور والا نے نام بنام ایک ایک کو بتلا دیا اور فرمایا ان کو قتل مت کرو یہ خلافِ اخلاق اور موجبِ بدنامی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنبل کی بیماری سے ہلاک کرے گا۔ حدیث مسلم میں ہے کہ میری امت میں بارہ منافق ہیں جو جنت کی خوشبو نہ پائیں گے جن میں سے آٹھ آدمیوں کے دونوں شانوں کے بیچ میں آگ کے شعلہ کی طرح دنبل نکل کر اُن کے سینہ سے پھوٹ پڑے گا۔

اس سے آگے آیت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم اُن سے دریافت کرو گے کہ تم میرا اور قرآن کا ذکر کر کے مذاق کیوں اُڑاتے تھے تو وہ کہیں گے کہ ہم تو راستہ کاٹنے کے لئے دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔ مذاق اُڑانا ہمارا مقصد نہ تھا۔ تم اُن سے کہہ دو کہ کیا مذاق اُڑانے کے لئے اللہ اور اس کا رسولؐ اور اللہ کی آیات ہی رہ گئی ہیں۔ اب تمہارا عذر پیش کرنا بیکار ہے۔ پہلے تم نے ایمان کا اظہار کیا تھا اگرچہ دل میں مذبذب تھے۔ مگر اب تم نے کھلم کھلا اظہارِ کفر کیا۔ اس لئے اب کسی قسم کا عذر پیش کرنا کچھ سود مند نہیں۔

toobaafoundation.com

ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ تبوک کو جاتے وقت ایک شخص نے کہا کہ میں نے تو ان قاریوں کی طرح کسی کو نہیں دیکھا جو کھانے میں سب سے بڑے پیٹ والے، بولنے میں کوتاہ زبان اور لڑائی میں بودے ہیں۔ اس پر ایک مومن بولا تو بڑا مفتری اور منافق معلوم ہوتا ہے۔ میں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دوں گا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے اس منافق کو دیکھا تھا۔ حضورؐ کی اونٹنی کے آگے ٹھوکریں کھاتا اور دوڑتا جا رہا تھا اور یہ کہتا جاتا تھا کہ ہم تو راہ کاٹنے کو دل لگی کی باتیں کرتے تھے۔

اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ ہم ان منافقوں کے ایک طائفہ کو معاف کر دیں گے اور دوسرا چونکہ مجرم ہے اس لئے اس کو عذاب دیں گے۔

اول الذکر طائفہ سے مراد صرف مخشی بن جمیر ہے جس نے صدق دلی سے توبہ کر لی تھی اور باقی بدستور نفاق پر قائم رہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کی پوشیدہ حالت اور مخفی گفتگو کا اظہار جس سے قرآن کا منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس امر کا بلند آہنگی کے ساتھ اعلان کہ اللہ تمہاری کل مخفی تدبیروں کو ظاہر کر دے گا۔ اس امر پہ تنبیہ کہ اللہ اور اس کے رسول اور آیاتِ الٰہی کا مذاق اُڑانا کفر ہے اگرچہ دل لگی کے لئے ہو۔ اس بات کی پیشین گوئی کہ بعض منافق صدق دل سے توبہ کر لیں گے اور کچھ بدستور منافق رہیں گے۔

ٱلْمُنَٰفِقُونَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتُ بَعْضُهُم مِّنۢ بَعْضٍ ۚ يَأْمُرُونَ بِٱلْمُنكَرِ وَيَنْهَوْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب کا ایک چال ہے بُرے کام کرنے کا مشورہ دیتے ہیں اور نیک کام سے

عَنِ ٱلْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا۟ ٱللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ ٱلْمُنَٰفِقِينَ

منع کرتے ہیں اور اپنی مٹھیاں بند کر لیتے ہیں یہ لوگ اللہ کو بھول گئے اس نے خدا نے بھی ان کو فراموش کر دیا اس میں

هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ ۝ وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱلْمُنَٰفِقَٰتِ وَٱلْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ

کچھ شک نہیں کہ منافق ہی نافرمان ہیں اللہ نے منافق مردوں منافق عورتوں اور کافروں کے متعلق دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے

خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ ٱللَّهُ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝

جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہی اُن کو کافی ہے خدا نے اپنی رحمت سے اُن کو دُور کر دیا ہے اور اُن کے لئے دائمی عذاب ہے

تفسیر یہ آیاتِ سابقہ کی تائید ہے۔ گزشتہ آیات میں منافقوں کے خصوصی حالات بیان فرمائے تھے اور یہ بھی بطورِ اجمال کے ذکر کیا تھا کہ وہ تم سے نہیں ہیں۔ اس کی تفصیل ان آیات میں ظاہر فرمائی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافق مردوں کی تعداد تین سو اور منافق عورتوں کی تعداد ایکسو چھہتر تھی۔

آیات کا مطلب دو طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ (۱) منافق مرد ہوں یا عورتیں نفاق میں سب ایک دوسرے سے مشابہ ہیں ایمان کوئی نہیں لائے گا۔ مذہبی حالت سب کی یکساں ہے۔ کفر، شرک اور اُن اُمور کے سب قائل ہیں جو عقل و شرع کی رُو سے بُرے ہیں اور اچھی باتوں کے خود منکر بلکہ دوسروں کو بھی روکنے والے ہیں۔ کارِ خیر میں کچھ صرف نہیں کرتے۔ امورِ خیر میں خرچ کرنے سے مٹھیاں بند کئے رہتے ہیں۔ غرض عقائد و اعمال اور اخلاق و عادات میں اُن کی حالت مسلمانوں کے بالکل خلاف ہے۔ خدا اور اس کے انتقام سے بالکل غافل ہو چکے۔ گویا خدا کو بھول گئے۔ اس لئے خدا نے بھی ان کو اپنے فضل و کرم سے محروم کر دیا۔ گویا خدا بھی اُن کو بھول گیا۔ درحقیقت ان کا نفاق ہی ان کی سرتابی اور نافرمانی کی علت ہے۔ خدا نے اُن کے لئے دوامی دوزخ مقرر کر دی اور ہمیشہ کے لئے اپنی رحمت سے محروم کر دیا۔

toobaafoundation.com

(۲) منافق جو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں یہ قول ان کا بالکل غلط ہے ۔ منافق مرد ہو یا عورت سب اس دعوے میں جھوٹے ہیں بلکہ یہ سب ایک تھیلی کے بٹے ہیں کسی کی حالت اچھی نہیں۔

مقصودِ بیان

کافروں کا مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں جو دل میں کافر ہو اگرچہ بظاہر اسلام کا اقرار کرے وہ مسلمان نہیں نہ وہ جمہورِ اسلام میں داخل سمجھا جا سکتا ہے۔ نفاق کی زبردست علامات تین ہیں (۱) بُری باتوں کا حکم دینا (۲) اچھی باتوں سے روکنا۔ (۳) کارِ خیر میں خرچ کرنے سے کنجوسی کرنا۔ آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ ظاہری اعمال قلبی حالت پر دلالت کرتے ہیں۔ اگر کسی کے ظاہری اخلاق، عادات، اقوال و اعمال مسلمانوں کی طرح نہ ہوں تو اُس کو مسلم نہیں کہا جا سکتا بلکہ اُس کو منافق کہا جائے گا۔ کیونکہ نفاق کی علامات اس کے اندر موجود ہیں۔ جو شخص بداعمالی میں جری اور نیکی کی طرف سے بالکل غافل ہو وہ گویا خدا کو بھول گیا۔ منافقوں کی نافرمانی کی علت ان کا نفاق ہے۔ گویا جس کے اندر شائبہ نفاق نہ ہو وہ نافرمان نہ ہو گا۔ منافق اور کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور دائرۂ رحمت میں کبھی داخل نہ ہوں گے۔ عورتیں بھی ایمان و اعمالِ صالحہ پر مکلف ہیں۔ وغیرہ

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ

تمہاری حالت بھی اُنہی لوگوں ایسی ہے جو تم سے پہلے تھے وہ تم سے زور میں بھی زیادہ تھے اور مال و اولاد بھی زیادہ رکھتے تھے

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ

وہ بھی اپنے حصّے کے مزے اُڑا چکے سو تم بھی اپنے حصّہ کے مزے اُن ہی کی طرح

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ

اُڑا چکے اور جیسے (بُری باتوں میں) وہ گھسے تم بھی ویسے ہی گھسے نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا دین میں

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَاْتِهِمْ

اُن کے اعمال اکارت گئے اور وہی نقصان میں رہے کیا ان لوگوں

نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ

کو پہلی اقوام یعنی قوم نوح عاد ثمود قوم ابراہیم اور اہلِ مدین

مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

اور الٹی ہوئی بستیوں کے رہنے والوں کی خبر نہیں پہنچی اُن کے پاس انہی کے پیغمبر نشانیاں لے کر پہنچے تھے تو اللہ ایسا نہ تھا کہ

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

اُن پر ظلم کرتا مگر وہ آپ ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے

toobaafoundation.com

تفسیر

قرآن پاک بلکہ ہر بلاغت پناہ کلام کا طرزِ بیان اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کسی کو نصیحت کرنی ہوتی ہے تو نرمی سے اس کو بازداشت کی جاتی ہے ... کی تلقین وہدایت کرنی ہوتی ہے اُس کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ اگر کچھ فہم اس پر نہیں مانتے اور اپنے اقوال واعمال کو اچھا خیال کرتے ہیں تو ان کے کرتوت کی خرابیاں بیان کی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے افعالِ شنیعہ کی خرابیاں محسوس کرکے بداعمالی سے رُک جائیں۔

اس کے بعد اگر پھر بھی وہ ضد پر قائم رہتے ہیں تو اُن کے اعمال کا نتیجہ بد ظاہر کیا جاتا ہے اور اُن قوموں کی حالت بیان کی جاتی ہے جن کے اعمال واقوال اور عقائد انہی کی طرح کے تھے اور جو کہ ان کا نتیجہ خراب ہوا لا محالہ ان کا نتیجہ بھی خراب ہوگا۔ کیونکہ ان کے حرکات بھی انہی کی طرح ہیں۔ چنانچہ اس مقام پر بھی خدا تعالیٰ نے اول کافروں اور مشرکوں کو نرمی سے نصیحت کی پھر اُن کے افعالِ شنیعہ بیان فرمائے، پھر بداعمالیوں کا نتیجۂ بد ظاہر کیا۔ پھر اُن گزشتہ اقوام سے اُن کو تشبیہ دی جن کے حرکات وسکنات اُن کی طرح تھے۔ پھر اُن اقوام کا نتیجہ اور مآل ظاہر کیا اور بالآخر ان کے تخمِ عمل کا بُرا پھل جو کچھ ہوگا وہ ظاہر فرمایا۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ:۔

اِن کافروں اور منافقوں کی حالت اُن قوموں کی طرح ہے جو اُن سے پہلے گزر گئی ہیں۔ اُن کی قوتِ جسمانی، دولت کی فراوانی اور اولاد کی کثرت اُن سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھی جب تک دنیا میں رہے اپنی قدرت وحوصلہ کے موافق انھوں نے خوب مزے اُڑائے اسی طرح یہ بھی مزے اُڑاتے ہیں۔ انھوں نے آیاتِ الٰہی میں فکر ونظر چھوڑ کر باطل میں غور وخوض کیا۔ حق کو چھوڑ کر ناحق میں گھس پڑے۔ یہ بھی اقرارِ توحید ورسالت اور اعمالِ صالحہ کو چھوڑ کر کفر، بے دینی، اور افعالِ شنیعہ کے جوش زن سمندر میں گھس گئے۔ غرض یہ کہ جو اُن کا چلن تھا وہی اِن کا چلن ہے۔ جو اُن کی حالت تھی وہی ان کی حالت ہے اور نتیجۂ اعمال میں دونوں ایک جیسے ہیں۔ اُن کا بھی کیا کرایا نابود اور ملیامیٹ ہوگیا۔ ان کا حاصلِ زندگی بھی برباد ہے۔ انجام کار وہ بھی تباہ رہے یہ بھی تباہ ہوں گے۔ قومِ نوح، قومِ ہود، قومِ صالح، قومِ ابراہیم، قومِ شعیب اور قومِ لوط نے انبیاء کی تکذیب کی، احکامِ الٰہی کو نہ مانا۔ بالآخر تباہ ہوئے۔ اور اپنے کرتوت سے تباہ ہوئے۔ اللہ نے بالکل ان کی حق تلفی نہ کی۔ مآلِ کار ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ کی روایت ہے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اُس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ پہلی قوموں کے چال چلن اور اُن کے راستہ پر چلوگے، ایک گز یا ایک ہاتھ یا ایک بالشت کا فرق نہ ہوگا۔ یہاں تک۔ اُن کی پیروی کروگے کہ اگر کوئی ان میں سے سیہی کے غار میں داخل ہوا تھا تو تم بھی سیہی کے غار میں گھسوگے۔ حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ! پہلی قوموں سے کیا اہلِ کتاب (یہود ونصاریٰ) مراد ہیں؟ فرمایا اور کون۔

تحقیق الفاظ

خَلَاق کے معنی اندازہ اور تقدیر ہے۔ یہاں مراد وہ دنیوی حصّہ ہے جو ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ مقدر ہے (ابن کثیر) لیکن حضرت ابوہریرہ رضؓ اور حسن بصری نے فرمایا کہ دین ہے اور آیت میں مراد شائد برتاؤ ہے یعنی اپنے دنیوی حصّہ یا خواہشِ نفس کے برتاؤ پر عیش اُڑاتے ہیں۔

قومِ نوح۔ حضرت نوحؑ کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ نے نوسو پچاس برس اپنی قوم کو احکامِ الٰہی پہنچائے، توحید کی دعوت دی، افعالِ ذمیمہ سے منع کیا مگر قوم نے نہ مانا۔ اللہ نے ان کو طوفان میں غرق کردیا۔ تکذیبِ نبی کا یہی انجام ہوا۔

عاد۔ یہ حضرت ہودؑ کی قوم تھی۔ بڑی طاقتور، قوی ہیکل، قدآور، اپنے زور اور تن آوری پر مغرور تھے۔ اللہ کے احکام کو نہیں مانتے تھے۔ حضرت ہودؑ نے نصیحت کی، ڈرایا دھمکایا، ثواب کی ترغیب دی مگر قوم نے ایک نہ سُنی۔ بالآخر ایک تیز آندھی نے سب کو پاش پاش کردیا۔ ہستی سے نام ونشان بھی مٹ گیا۔ صفحاتِ تاریخ پر کہیں مفصّل تذکرہ بھی نہیں ملتا۔

ثمود۔ یہ حضرت صالحؑ کی قوم تھی۔ اس کو عادِ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بھی بڑے سرکش تھے۔ ان پر بھی عذابِ الٰہی آیا۔ غیب سے ایک کڑک کی چیخ پیدا ہوئی جس سے لوگوں کے دل پھٹ گئے اور سب تباہ ہوگئے۔

قومِ ابراھیم۔ اس قوم کا بادشاہ نمرود بن کنعان تھا۔ بابل کا بڑا جبار سرکش اور ظالم انسان تھا۔ مچھروں کی فوج نے اس کو مع قوم کے غارت کردیا۔

اصحٰب مدین۔ یہ حضرت شعیبؑ کی قوم تھی جو مدین میں رہتی تھی۔ تجارت میں ناپنے تولنے کے وقت بے ایمانی کرتی تھی۔ ان پر بھی عذابِ الٰہی

toobaafoundation.com

آیا۔ اوپر سے ابرِ سیاہ پیدا ہوا جس نے عالم کو گھٹاٹوپ کر دیا۔ زمین میں زلزلہ آیا۔ بالآخر سب مر گئے۔

مُؤْتَفِكٰت ۔ اُلٹی ہوئی بستیاں۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم تھی۔ اغلامت اور بداخلاقیِ بے جا میں مبتلا۔ طرح طرح کے معاصی میں منہمک۔ اللہ نے اُن کی تمام بستیوں کو اُلٹ دیا۔ سب تہ و بالا ہو گئے۔

مقصود بیان دورِ محمدیؐ کے کفار و منافقین کی تشبیہ اقوامِ گزشتہ سے اس بات کا ضمنی بیان کہ جسمانی بیش از بیش طاقت، دولت کی کثرت اور اولاد کی فراوانی عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتی بلکہ یہ خدا کی ڈھیل ہے۔ کچھ دنوں۔ کش ظالم مزے اُٹھا لیتے ہیں اور جتنا ان کے مقدر میں ہے اتنا عیش کر لیتے ہیں لیکن انجام کار ان کی گرفت ہوتی ہے۔ درپردہ یہ بات بھی نکلتی ہے کہ لذات و خواہشات میں منہمک ہونا حق کو چھوڑ کر باطل پر اپنے تمام قوائے فکریہ کو صرف کرنا موجبِ تباہی ہے۔ کافر کا کوئی نیک عمل مقبول نہیں سب بیکار اور نابود ہوں گے۔ اللہ کے نزدیک سب مخلوق برابر ہے وہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا بلکہ انسان خود اپنے کو تباہ کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ صرف بداعمال کی پاداش دیتا ہے۔ وغیرہ

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے رفیق ہیں نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ

اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں نماز کو باقاعدہ پڑھتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ

کے حکم کو مانتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم فرمائے گا اس میں شک نہیں کہ اللہ غالب اور صاحب تدبیر ہے مسلمان

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

مردوں اور مسلمان عورتوں سے اللہ نے اُن گھنے باغوں کا وعدہ کر لیا ہے جن کے اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ

فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ

رہیں گے اور دوامی بہشت میں نفیس مکانوں کا بھی وعدہ کیا ہے اور اللہ کی تھوڑی سی خوشنودی ان سب سے بزرگ ہے

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۹ ۱۵

یہی بڑی کامیابی ہے

تفسیر قرآنِ پاک کا اسلوبِ بیان ہے کہ بُروں کو نصیحت کرنے کے لئے اُن کے اعمال کا انجام اور نتیجہ ظاہر فرماتا ہے تاکہ نتیجہ پر غور کر کے وہ ڈر جائیں اور بدکرداری سے باز آجائیں۔ پھر اُن کے مقابل نیک طبقہ کا ذکر فرماتا ہے۔ اُن کے عقائدِ صحیحہ اور افعالِ حسنہ کے عمدہ نتائج ظاہر کرتا ہے تاکہ بدکرداروں کو اپنے افعال سے توبہ کرنے اور نیکی کرنے کی طرف رغبت ہو کیونکہ نصیحت کے صرف دو ہی طریقے ممکن ہیں ترہیب اور ترغیب۔ ترہیب کی تکمیل اول صورت سے اور ترغیب کی تکمیل مؤخر الذکر صورت سے ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی خدا تعالیٰ نے پہلے کافروں اور منافقوں کی حالت اُن کے

toobaafoundation.com

خصوصیات اور بالآخر نتیجۂ بد سے ظاہر فرمایا۔ اب اہلِ ایمان کی حالت خصوصیات اور نیک انجام کو بیان فرماتا ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ مومن مرد ہوں یا عورتیں سب باہم اقربا رہیں یعنی باعتبار حقانیت صداقت امرالٰہی کی اطاعت اور حکم رسول کی پیروی کے سب باہم محبت رکھتے ہیں۔ دینی رشتہ سب کو جوڑے ہوئے ہے۔ سب ایک دوسرے کے مددگار غمخوار اور مونس و یاور ہیں۔ حدیث صحیح وارد ہے کہ ایک مومن کے لئے دوسرا مومن ایسا ہے جیسے عمارت کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط بناتا ہے۔ یہ فرمانے کے وقت حضورؐ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کا جال بنا کر بتایا یعنی ہر مومن دوسرے مومن سے اسی طرح وابستہ رہتا ہے جیسے کسی مکان کی اینٹیں یا انگلیوں کا جال۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ مومنوں کی باہمی شفقت و محبت کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم کے اعضاء۔ ایک عضو میں درد ہوتا ہے تو تمام اعضاء میں بخار اور بے خوابی رہتی ہے اور سب کو درد ہوتا ہے۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ نے مومن کے خصوصی اوصاف پانچ بیان فرمائے وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں۔ یعنی جو امور عقل و شریعت کی رُو سے اچھے ہیں ان پر خود بھی کاربند ہوتے ہیں اور دوسروں کو عمل پیرا ہونے کی ہدایت کرتے ہیں یعنی شریعت و عقل نے جس چیز کو بُرا کہا اُس سے خود بھی باز رہتے ہیں اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ (۳) نماز کو ٹھیک وقت پر اعتدالِ ارکان اور پابندی کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ منافقوں کی طرح سستی، گرانی اور بے دلی کے ساتھ نہیں پڑھتے (۴) زکوٰۃ ادا کرتے ہیں یعنی غرباء، فقراء وغیرہ کی مالی امداد کا جو طریقہ شریعت نے مقرر کر دیا ہے اس پر چلتے ہیں اور اہلِ حاجت کی حکمِ شرعی کے موافق مدد کرتے ہیں۔ (۵) اللہ اور رسولؐ کے ہر حکم کو مانتے اور ہر فرمان کی تعمیل کرتے ہیں۔ اپنی خواہش، مرضی اور عقل کو دخل نہیں دیتے اور بغیر چون و چرا کرنے کے امتثالِ حکم کرتے ہیں۔ جن لوگوں میں یہ پانچ اوصاف ہوں گے اللہ انہی پر رحم فرمائے گا اپنی رحمت سے ان کی مغفرت کر دے گا۔ بغیر کسی عذاب کے ابتداء ہی سے ان کو دوامی جنتیں اور پاکیزہ خوشگوار مکانات رہنے کو عطا فرمائے گا پھر ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ایک بڑی عنایت ان پر ہوگی۔ وہ یہ کہ اُن کو رضائے مولا حاصل ہوگی اور اس کی خوشنودی کا سب سے چھوٹا حصہ بھی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کو خطاب فرمائے گا۔ جنتی جواب دیں گے لبیک وسعدیک۔ ارشاد ہوگا کیا تم خوش ہو گئے؟ اہلِ جنت عرض کریں گے پروردگار! ہم کس طرح راضی نہ ہوں گے تو نے ہم کو وہ چیزیں عنایت کی ہیں جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دیں۔ ارشاد ہوگا کیا میں اس سے بہتر چیز عطا کروں؟ اہلِ جنت عرض کریں گے پروردگار! اس سے افضل کیا چیز ہے؟ ارشاد ہوگا میں اپنی رضامندی تم کو دیتا ہوں اس کے بعد کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ (رواہ البخاری ومسلم)

مقصودِ بیان

اس امر کی صراحت کہ اہلِ ایمان باہم محبت اور شفقت رکھتے ہیں۔ گویا بطور مفہوم مخالف کے کہا جا سکتا ہے کہ جس مسلمان کو مسلمانوں سے ہمدردی نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں۔ مسلمانوں کے خصوصی اوصاف کا بیان اس بات کی طرف اشارہ کہ نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، اچھی باتوں کا حکم دینا، بُری باتوں سے منع کرنا فقط یہی ضروریاتِ اسلام میں سے نہیں بلکہ خدا اور رسول کے ہر حکم کے سامنے سر جھکا دینا اور بغیر چون و چرا کے اس پر عمل کرنا مسلمان کے لئے بہت زیادہ ضروری ہے۔ آیات سے اس بات کا ضمنی استخراج ہوتا ہے کہ اسلام فقط قلبی اعتقاد ہی کا نام نہیں بلکہ زکوٰۃ تعمیل حکمِ الٰہی پیروی رسول امورِ شرعی کے سامنے خمیدہ گردن ہو جانا سب ارکانِ اسلامی ہیں۔ سَیَرْحَمُهُمُ کے لفظ سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ کوئی شخص اعمالِ حسنہ اور افعالِ خیر کی وجہ سے نجات نہیں پائے گا بلکہ اللہ اپنے فضل و رحمت سے ایسے نیکوکار بندے کو معاف کر دے گا۔ گویا اس کی نیک اعمالی موجبِ رحمت ہوگی اور رحمت موجبِ مغفرت۔ احادیث سے بھی یہی مضمون ثابت ہوتا ہے آیت میں صراحت ہے کہ اہلِ ایمان عورتیں ہوں یا مرد سب سے اللہ نے نجات و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

یہ لوگ جنت میں ہمیشہ رہیں گے لیکن سب سے بڑھ کر نعمت ان کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ آیت میں درپردہ تیقن ہے کہ مسلمان اپنے ہر قول و عمل میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کو پیشِ نظر رکھے۔ وغیرہ

toobaafoundation.com

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو اُن کا ٹھکانا جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ

اور وہ بُری جگہ ہے وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے تو نہیں کہا حالانکہ وہ کفر کی بات کہہ چکے ہیں

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ

اور مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو چکے ہیں اور ایسی چیز کا ارادہ کر چکے ہیں جو اُن کو نہ مل سکی اور یہ سب کچھ اس بات کا بدلا دیا کہ

اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

اللہ اور اس کے رسول نے بفضلِ خدا اُن کو دولت مند کر دیا سو اگر وہ توبہ کرلیں تو اُن کے حق میں بہتر ہے

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا

اور اگر رُخ پھیر لیں تو اللہ اُن کو دنیا و آخرت میں دردناک سزا دے گا۔ اور

لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

روئے زمین پر اُن کا نہ کوئی حمایتی ہے نہ مددگار

تفسیر اوپر کی آیت میں منافقوں اور کافروں کے اعمال و نتائج بیان کرکے عذاب کی وعید کی تھی پھر مسلمانوں کے اعمال و نیک انجام ظاہر کرکے اہلِ کفر کو اسلام کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جب دونوں طریقوں سے اتمامِ حجت ہوگیا اور مخالفینِ اسلام اپنی حرکات سے باز نہ آئے تو اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو جہاد کا حکم دیتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اے نبیؐ! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو۔ جہاد کے یہ معنی ہیں کہ اوّل زبان سے اُن کو نصیحت اور فہمائش کرو اگر اس طرح فتنہ انگیزی سے باز نہ آئیں تو اور سختی کرو۔ اس پر بھی نہ رُکیں تو تلوار سے فتنہ کی بیخ کنی کردو۔ چونکہ منافقوں سے جہاد کرنے کے متعلق اقوال مختلف ہیں اس لئے ہم ان کو علیحدہ علیحدہ لکھتے ہیں۔ مگر جہاد کرنے کا صحیح مطلب ہم نے بیان کردیا۔

حسن، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ منافقوں کے جہاد کرنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کو شرعی سزا دی جائے۔ یعنی جب ایسا فعل کریں جس کی شرعاً حد اور سزا مقرر ہے تو بغیر رعایت کے ان کو مقررہ سزا دی جائے مگر صاحب بیضاوی نے اس مطلب کو غلط قرار دیا ہے۔ کیونکہ مقررہ سزا دینے کا حکم تو منافق و مسلم سب کے لئے برابر ہے۔

ضحاک، مقاتل اور ربیع انس کا قول ہے کہ کفار سے جہاد تلوار سے کیا جائے اور منافقوں سے زبانی کلام میں سختی اور درشتی کی جائے امام رازی کی بھی رائے ہے اور ابن عباسؓ سے بھی یہی روایت ہے۔ ابن مسعودؓ نے اتنی بات زائد بیان کی ہے کہ ہاتھ سے روکے اور قدرت نہ ہو تو زبانی سختی کرے۔ شیخ ابن جریر کہتے ہیں کہ منافق جب کھلم کھلا نفاق ظاہر کرے تو اس پر تلوار سے جہاد کیا جائے۔ اسی کی تائید حضرت علیؓ کے اس قول سے ہوتی

toobaafoundation.com

ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ حضور اقدسؐ کو چار تلواریں عطا کی گئی تھیں۔ ایک تلوار مشرکوں کے لئے جس کا بیان آیت فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ میں ہے اور دوسری تلوار اہل کتاب کے لئے جس کا بیان آیت قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ میں ہے اور تیسری تلوار منافقوں کے لئے جس کا بیان آیت يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ میں ہے اور چوتھی تلوار مسلمان باغیوں کے لئے جس کا بیان آیت فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ میں ہے۔

اس سے آگے خدائے بزرگ جل شانہٗ کا یہ ارشاد ہوتا ہے کہ منافق اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کیا مگر وہ جھوٹے ہیں انہوں نے ضرور کفر کا کلمہ کہا اور اظہار اسلام کے بعد پھر کلمۂ کفر زبان سے نکالا۔ اس آیت کا مطلب واضح کرنے کے لئے مختلف راویوں نے مختلف قصے نقل کئے ہیں۔ کیونکہ آیت سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منافقوں نے کوئی کفریہ بات کہی تھی۔ وہ کیا تھی؟ اس کی تفصیل ذیل میں پڑھو۔

ابن کثیر نے بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی کے بارے میں نازل ہوئی۔ بمقام تبوک ایک انصاری کا جھگڑا قبیلہ جہینہ کے آدمی سے ہوگیا۔ جہنی شخص نے انصاری پر اپنی فضیلت ظاہر کی اور شیخی ماری۔ عبد اللہ بن ابی بولا :۔ محمدؐ کی مثل ہم میں ایسی ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ اپنا کتا پال پال کر موٹا کرو تاکہ وہ تم کو ہی کھا جائے۔ یعنی ہم نے ہی محمدؐ کو پالا وہی ہم کو کھاتا ہے۔ جس وقت ہم مدینہ پہنچیں گے تو دیکھنا جو با عزت لوگ ہیں وہ ذلیلوں کو باہر نکال پھینکیں گے۔ اس منافق کے ان خبیث الفاظ کی اطلاع کسی نے حضور اقدسؐ سے جاکر کردی۔ حضورؐ نے عبد اللہ بن ابی کو طلب فرما کر دریافت کیا۔ عبد اللہ صاف انکار کر گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

عبد اللہ بن فضل نے بروایت انس بن مالک بیان کیا کہ ایک روز حضور والا تقریر کر رہے تھے۔ ایک شخص بولا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بدتر ہوئے۔ حضرت زید بن ارقمؓ بولے۔ ہاں واللہ محمدؐ سچے ہیں اور تو ضرور گدھے سے بدتر ہے۔ جب حضورؐ کے سامنے اس واقعہ کا مرافعہ کیا گیا تو وہ منافق منکر ہوگیا۔ اس پر حضرت زید بن ارقم کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

محمد بن اسحاق نے بروایت حضرت کعب بن مالک انصاریؓ بیان کیا۔ کعب کہتے ہیں (جب میں تبوک کو نہ جاسکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے اور کچھ لوگوں نے جھوٹی معذرتیں پیش کرنی شروع کردیں تو) جب منافقوں کی عدم شرکت کی فضیحت کے متعلق قرآن نازل ہوا ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو رسول اللہؐ کے ساتھ موجود تھے اور پھر بھی قرآن میں اُن کی رسوائی ظاہر کی گئی۔ چنانچہ ایک منافق جلاس بن سوید بن صامت بھی تھا۔ جلاس نے عمیر بن سعدؓ کی ماں سے نکاح کر لیا تھا اس لئے عمیرؓ اس کی زیر تربیت تھے۔ منافقوں کی رسوائی کی آیات سُن کر جلاس بولا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم لوگ گدھوں سے بدتر ہیں۔ عمیر بن سعد یہ بات سُن کر بولے جلاس اللہ کی قسم میں تمام لوگوں سے تجھے زیادہ چاہتا ہوں۔ تیرے مجھ پر بہت احسان ہیں۔ مجھے منظور نہیں کہ تجھے برائی پہنچے۔ لیکن تو نے بات ایسی کہی جس کے چھپانے میں خیانت اور ظاہر کرنے میں تیری رسوائی ہے اور تیری طرف سے مجھے اپنی ہلاکت کا اندیشہ ہے تاہم موخرالذکر قدرت میرے واسطے سہل ہے۔ اس کے بعد عمیرؓ نے جاکر حضور اقدسؐ سے واقعہ عرض کردیا۔ اس نے جاکر قسمیں کھائیں کہ میں نے ایسا نہیں کہا اور عمیرؓ کا دشمن ہوگیا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ اس کے بعد جلاس نے سچے دل سے توبہ کرلی (رواہ محمد بن اسحٰق) عروہ بن زبیر کے نزدیک بھی آیت مذکورہ جلاس کے حق میں نازل ہوئی۔ بہرحال آیت میں کچھ صراحت نہیں اور قصے متعدد واقع ہوئے ہر ایک پر آیت کو محمول کیا جاسکتا ہے۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

منافقوں نے ایک بات کا ارادہ کیا تھا مگر اس کو حاصل نہ کرسکے۔ اس سے مراد بعض علماء کے نزدیک وہی عمیرؓ کا قصہ ہے کہ عمیرؓ نے جب واقعہ کا انکشاف کردیا تو جلاس اس کو قتل کرنے کے درپے ہوگیا لیکن قتل نہ کرسکا۔ یہاں تک کہ خود مسلمان ہوگیا۔ سدی کہتے ہیں یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے عبد اللہ بن ابی کے سر پر تاج حکومت۔ رکھنا چاہا تھا مگر ایسا نہ کرسکے۔ اس قصہ کو بخاری نے بھی روایت کیا ہے۔ حافظ ابن کثیر وغیرہ کہتے ہیں کہ تبوک سے واپسی میں بارہ منافقوں نے راستہ میں چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کی تاریکی میں شہید کر ڈالنے کا ارادہ کیا اللہ عمار بن یاسرؓ نے اُن کو مار بھگایا۔ اسی قصہ کی طرف آیت میں اشارہ ہے۔ (رواہ احمد والبیہقی) بہرحال یہاں بھی آیت میں صراحت نہیں اور قصے متعدد ہیں۔
اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ نازیبا حرکات احسان کے مقابلہ میں کیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُن کو کوئی

toobaafoundation.com

تکلیف نہیں پہنچی کہ جس کا یہ انتقام لیتے بلکہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اُن کو تونگر کر دیا۔ پہلے نادار تھے اب مالدار ہو گئے ۔ مالِ غنیمت کے حصے ان کو ملے۔ اس احسان کا انھوں نے یہ بدلہ دیا۔ چنانچہ جلاس بہت غریب آدمی تھا اس کا ایک غلام مارا گیا۔ حضورؐ نے مقتول کے خوں بہا کے بارہ ہزار درہم اس کو دلوائے جس سے وہ دولتمند ہو گیا مگر پھر بھی حضورؐ کی بُرائی کے درپے رہا۔

اس سے آگے فرماتا ہے کہ اب بھی اگر یہ سچی توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے ورنہ دنیا و آخرت میں اُن کو سخت دُکھ اٹھانا پڑے گا۔ آخرت کا عذاب تو ہو گا ہی مگر دنیا میں ان کمبختوں کو ایسا دُکھ پہنچا جس سے جانبر نہ ہو سکے۔ آتشیں پھوڑوں نے اُن کو سوختہ کر دیا۔ نعوذ باللہ۔

مقصودِ بیان کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کا حکم اس امر کی صراحت کہ ان پر سختی کی جائے۔ اس بات کی طرف ضمنی اشارہ کہ دشمنانِ اسلام پر سختی کرنی چاہیئے۔ آیت سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے کہ جو شخص زبان سے اسلام کا اقرار کرے اگرچہ دل میں منافق ہو مگر ظاہری حکم اس پر اسلام کا لگایا جائے گا۔ کفار کی خفیہ تدبیروں کی صراحت۔ اس امر کی تصریح کہ منافق بڑے احسان فراموش تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ احسانات کئے مگر انھوں نے بھلائی کا بدلہ بُرائی سے دیا گویا ضمنی تنبیہ اس بات پر بھی ہے کہ جس شخص کو خدا تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مال و دولت عنایت فرمائے وہ سرکشی چھوڑ دے اور حکمِ الٰہی کے سامنے سر جُھکا دے۔ منافقوں کی توبہ مقبول ہے۔ اللہ نے ان کو باآسانی توبہ کرنے کا موقع دیا ہے۔ آیت میں منافقوں کے متعلق پیشین گوئی ہے کہ ان پر دنیوی عذاب بھی آئیگا۔ اور آخرت میں ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا۔

وَمِنْهُم مَّنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِن فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ

ان میں سے　بعض لوگوں نے　تو اللہ سے　عہد کیا تھا　کہ اگر اللہ ہم کو　اپنے فضل سے عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات دینگے اور نیک

مِنَ الصَّالِحِينَ ○ فَلَمَّا آتَاهُم مِّن فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوا وَّهُم

بن جائیں گے　لیکن جب　خدا نے ان کو　اپنے فضل سے　عطا فرمایا تو لگے　اسی میں بخل کرنے　اور رُخ پھیر کر

مُّعْرِضُونَ ○ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا

چلتے بنے　نتیجہ یہ نکلا کہ خدا نے وعدہ خلافی کرنے　اور جھوٹ بولنے کے عوض　نفاق اس دن　تک کے لئے

أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ○ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ

قائم کر دیا　جب کہ　وہ خدا　سے　ملیں گے　کیا یہ واقف نہیں کہ اللہ

اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ○

اُن کے راز　اور سرگوشی کو　جانتا ہے　اور وہ بلاشبہ غیب کی باتوں سے　خوب واقف ہے

تفسیر ابن جریر ابن ابی حاتم نے بروایت حضرت ابوامامہ باہلی رض بیان کیا کہ ایک مرتبہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے خدمتِ گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ خدا تعالیٰ مجھے دولت عنایت فرمائے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اے ثعلبہ وہ تھوڑا مال جس کا تو شکر ادا کرے اس کثیر مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا کرنے کی تجھ میں طاقت نہ ہو۔ ثعلبہ نے مکرر درخواست کی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تو اس

toobaafoundation.com

بات پر راضی نہیں کہ اللہ کے رسول کی طرح تیری حالت ہو۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اگر میں چاہوں تو سونے چاندی کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں۔ ثعلبہ نے تیسری بار اصرار کیا اور عرض کیا قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا اگر آپ اللہ سے دعا کریں اور خدا تعالیٰ مجھے مالدار کر دے تو میں ہر حقدار کو اس کا حق ضرور پہنچاؤں گا۔ حضورؐ نے دعا فرمائی الٰہی ثعلبہ کو مال عطا فرما۔ چنانچہ ثعلبہ نے چند بکریاں لیں اور تھوڑی مدت میں اتنی برکت اور کثرت ہوئی کہ ثعلبہ مدینہ میں نہ رہ سکا۔ آبادی سے باہر اس نے اپنا مسکن بنا لیا لیکن اب اس نے فجر مغرب اور عشاء کی جماعت چھوڑ دی صرف ظہر و عصر کی جماعت میں آکر شریک ہوتا تھا اور کچھ دنوں کے بعد ظہر و عصر کی جماعت بھی چھوڑ دی صرف جمعہ کو آتا رہا۔ بکریوں کا بڑھاؤ برابر کیڑوں کی طرح جاری تھا۔ چنانچہ کچھ مدت کے بعد جمعہ سے بھی غیر حاضر ہو گیا اور آنے جانے والوں سے رسول اللہ کی حالت دریافت کر لیتا تھا۔

ایک روز حضورؐ نے دریافت فرمایا ثعلبہ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے واقعہ عرض کر دیا۔ حضورؐ نے تین مرتبہ فرمایا ثعلبہ کی بربادی۔ پھر جب حکمِ الٰہی ہوا کہ صدقات و زکوٰۃ وصول کرو تو حضورؐ نے دو آدمی مقرر کئے اور مسلمانوں سے وصول صدقات کی تحریر ان کو لکھ دی اور دونوں نے فرما دیا کہ ثعلبہ کے اور فلاں اسلمی شخص کے پاس بھی جانا اور مال صدقہ ان سے لے آنا۔ حسب الحکم دونوں روانہ ہو کر ثعلبہ کے پاس پہنچے اور فرمانِ گرامی سنا کر مال صدقہ طلب کیا۔ ثعلبہ بولا یہ تو بالکل جزیہ ہوا۔ جزیہ کا بھائی صدقہ ہے میری سمجھ میں نہیں آتا اچھا تم جاؤ۔ جب فارغ ہو جاؤ تو پھر آنا۔ دونوں صاحب چل دیئے اور اسلمی شخص کے پاس پہنچے۔ اس کے پاس اونٹ تھے۔ اس نے بے چون وچرا اکئی بہترین اونٹ صدقہ میں دیئے۔ ہرچند محصلوں نے کہا ہم کو بہترین مال لینے کا حکم نہیں ہوا۔ ایسے عمدہ چھنٹے ہوئے اونٹ صدقہ میں دینا واجب نہیں مگر اسلمی نے ایک نہ مانی اور بولا واجب نہ سہی میری خوشی اسی میں ہے۔ یہ سب صدقہ ہی کے لئے ہیں۔ غرض یہ دونوں صاحب وہ اونٹ لے کر آئے۔ دوسرے مسلمانوں سے مقررہ زکوٰۃ وصول کی۔ اور لوٹ کر ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ ثعلبہ نے پھر وہی پہلی بات کہی اور بالآخر کہہ دیا تم اس وقت جاؤ میں اس کے متعلق غور کروں گا۔ دونوں حضرات لوٹ کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی کچھ عرض بھی نہ کیا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا ثعلبہ کی بربادی اور اسلمی شخص کو دعا دی۔ دونوں صاحبوں نے سلام کر کے واقعہ عرض کیا۔ اس پر آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔ نزولِ آیات کے وقت حضورؐ کے پاس ثعلبہ کا ایک رشتہ دار موجود تھا اس نے جا کر ثعلبہ کو اطلاع دی کہ تیرے حق میں یہ وعید نازل ہوئی ہے۔ ثعلبہ فوراً خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا اور مال صدقہ پیش کر کے قبول کرنے کا امیدوار ہوا۔ مگر حضورؐ نے فرمایا یہ سب تیرا ہی کیا ہوا ہے۔ میں نے تجھے حکم دیا تھا تو نے نہ مانا۔ الحاصل ثعلبہ ناکام واپس چلا گیا۔ حضورؐ نے اپنی زندگی میں اس کا صدقہ قبول نہ فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے بھی قبول نہ کیا۔ خلافتِ عثمانی میں ثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافقوں میں سے بعض آدمی (ثعلبہ) اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ اگر اللہ ہم کو مال عنایت کرے گا تو ہم صدقہ دیں گے۔ اور دوسرے نیکوکاروں میں ہم بھی داخل ہو جائیں گے۔ یعنی ہم حقداروں کو ان کا حق ادا کریں گے، اہلِ حاجت کی مدد کریں گے اور شرعی مقررہ حصہ دیتے رہیں گے لیکن جب اللہ نے ان کو مالدار کر دیا تو ان کے اندر دو وصف پیدا ہو گئے۔ اول تو کنجوسی کرنے لگے گزشتہ عہد و پیمان بالکل بھلا دیا۔ دوسرے حکمِ الٰہی سے منہ موڑ کر چل دیئے کچھ پرواہ نہ کی کہ اللہ کا کیا حکم ہے۔ اس خلاف ورزی اور تکذیب کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُن کے دلوں میں خلوص نہ رہا۔ اللہ نے اُن کے سینوں میں نفاق قائم کر دیا اور ایسا قائم کر دیا کہ مرتے دم تک اُن کے دلوں میں قائم رہے گا زائل نہ ہوگا۔ کیا وہ واقف نہیں کہ اللہ ان کی ہر حالت کو جانتا ہے۔ ظاہر باطن یہاں تک کہ راز اور سرگوشی کی باتیں بھی اللہ کو معلوم ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چار باتیں ہیں جس شخص میں وہ چاروں ہوں گی وہ پورا منافق ہے اور جس میں ان میں کی کوئی ایک ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ وہ چاروں یہ ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے، جھگڑے کے وقت فحش بکے، وعدہ کرنے کے بعد اس کی خلاف ورزی کرے، اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے (رواہ عبداللہ بن عمرو بن العاص) بعض روایتوں میں دوسری خصلت کا ذکر نہیں ہے۔

مقصودِ بیان کثرتِ مال اکثر موجب تباہی ہو جاتی ہے تھوڑا مال بہتر ہے۔ جس مال کا صدقہ نہ دیا جائے وہ انسان کو برباد کر دیتا ہے۔ عہد کی خلاف ورزی اور جھوٹ بولنا نفاق کی علامات بلکہ اسبابِ نفاق ہیں۔ بخل کرنا اور احکامِ الٰہی سے سرتابی کرنا

toobaafoundation.com

دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ آیت میں اخبار عن الغیب کے ساتھ ساتھ پیشین گوئی بھی ہے۔ ثعلبہ کا نفاق مرتے دم تک رہا جائے گا اور پیشین گوئی پوری ہوئی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ

یہی لوگ　دل کھول کر　خیرات کرنے والے　مسلمانوں پر　اور اُن لوگوں پر　جن کو　مزدوری　کے سوا

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ

کچھ میسّر　نہیں　طعن کرتے　ہیں　اور اُن کا　مذاق　اُڑاتے ہیں　اللہ نے بھی　اُن کو

مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

مذاق کی پاداش دی　اُن کے لئے　دردناک عذاب ہے

تفسیر منافقوں کی عادات میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ مسلمانوں پر ہر وقت نکتہ چینی کرتے تھے۔ اگر کوئی مسلمان بخلوصِ خاطر کچھ زائد مال صدقہ میں دیتا تو وہ کہتے اس نے دکھانے اور ریا کرنے کے لئے دیا ہے اور کوئی غریب آدمی ہے زیادہ مال میسّر نہیں کوئی معمولی چیز اُس نے بطور صدقہ پیش کی ہوتی تو اس کا مذاق اُڑاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو حضورؐ نے صدقہ دینے کے متعلق وعظ فرمایا۔ ایک شخص نے بکثرت مال خدمتِ گرامی میں لاکر حاضر کر دیا اور عرض کیا جس صورت سے مناسب ہو اس کو تقسیم کر دیجئے۔ منافق کہنے لگے اس شخص نے دکھانے کے لئے ایسا کیا ہے۔ ایک اور شخص نہایت تنگدست اور نادار تھے جن کا نام ابو عقیل تھا انھوں نے (مزدوری کر کے) ڈیڑھ سیر چھوارے خدمتِ گرامی میں بہ نیتِ صدقہ پیش کئے تو منافق کہنے لگے اللہ کو اس کے صدقہ کی کوئی ضرورت نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری و مسلم)، ابوبکر بزار وغیرہ نے بروایت ابوہریرہ و ابن عباس و مجاہد و ابن اسحٰق بیان کیا ہے کہ اصحابِ استطاعت میں سے عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار درہم اور عاصم بن عدی نے چار من کھجوریں بطور صدقہ پیش کی تھیں۔ منافق بولے انھوں نے ریاکاری سے صدقہ دیا ہے۔ حالانکہ حضور اقدسؐ نے حضرت عبدالرحمٰن سے فرمایا تھا۔ خدا تیرے مال صدقہ میں برکت دے جو تو نے رکھ چھوڑا ہے۔ ادھر ابو عقیل کا قصہ! دونوں پر طعن تو ادپر گزر ہی چکا ہے۔ بہر حال یہ حالت تھی کہ خدا نے آیت مذکورہ نازل کی۔

حضرت ابو السلیل کہتے ہیں میں نے خود دیکھا کہ بقیع کے جلسہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے جو شخص اللہ کے واسطے کچھ صدقہ دے گا میں خود قیامت کے دن اس کا شاہد ہوں گا۔ میں نے یہ فرمان سُن کر اپنے عمامہ میں سے ایک یا دو (درہم) صدقہ دینے کی غرض سے کھولے لیکن فوراً انسانی خطرہ دل میں آیا (کہ یہ بہت حقیر رقم ہے) اس لئے عمامہ کی گرہ پھر باندھ لی۔ اتنے میں ایک سیہ فام پستہ قد بدشکل آدمی ایسا آدمی میں نے بقیع میں دوسرا نہیں دیکھا اس کے ساتھ ایک اونٹنی بھی تھی جس کی مثل خوبصورت اونٹنی میں نے نہیں دیکھی۔ اس نے آکر کہا یارسول اللہ یہ صدقہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا بہت اچھا۔ ایک منافق نے اس شخص پر کچھ نکتہ چینی کی اور کہنے لگا ایسا (بدشکل) آدمی اور اس نے ایسی خوبصورت اونٹنی دے دی۔ واللہ یہ اونٹنی تو اس سے اچھی ہے۔ حضورؐ نے یہ کلام سُن کر فرمایا تو جھوٹا ہے وہ شخص تجھ سے اور اس اونٹنی سے دونوں سے اچھا ہے۔ الحدیث (رواہ احمد) غرض منافق اہلِ اسلام کے صدقات پر اس طرح کی نکتہ چینی کیا کرتے تھے کہ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ ان منافقوں کی عجب حالت ہے جو مسلمان دل کھول کر صدقہ دیتے ہیں ان پر طعن و طنز کرتے ہیں اور ایسی خیرات کو ریاکاری پر محمول کرتے ہیں اور جن لوگوں کو سوائے محنت مزدوری کے اور کچھ توفیق نہیں اور وہ اپنی محنت کا پیسہ خیرات میں دیتے ہیں تو منافق اُن کا

toobaafoundation.com

مذاق اُڑاتے ہیں۔ خدا ان کو ان کے مسخرے پن کرنے کی سزا دے گا اور انہی کو مسخرہ بنائے گا اور آخرت میں تو المناک عذاب ان پر ہوگا ہی۔

مقصودِ بیان کسی مومن پر ناجائز طنز یا کسی کا مذاق اُڑانا نفاق کی علامت ہے۔ مسلمانوں کو اس سے پرہیز لازم ہے۔ صدقہ و خیرات ہو خواہ قلیل ہو یا کثیر اگر بخلوصِ نیت ہو تو مقبول ہے جس طرح دولتمندوں کا دل کھول کر راہِ خدا میں دینا قابلِ مدح ہے ویسے ہی غریب مزدوروں کا محنت مزدوری کر کے تھوڑی سی خیرات کرنی بھی قابلِ استحسان ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ

(اے محمدؐ!) آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں (دونوں برابر ہیں) اگر ستر بار بھی آپ ان کے لئے دعائے مغفرت

مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

کریں گے تو اللہ اُن کو ہرگز معاف نہ کرے گا کیونکہ انھوں نے اللہ اور اُس کے رسول کو نہیں مانا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع ١٦ ٨ ع

فاسق لوگوں ہدایت نہیں کرتا

تفسیر عبداللہ بن ابی بن سلول مدینہ کے منافقوں کا سردار تھا۔ بظاہر مومن ہوگیا تھا لیکن باطن میں حضورؐ کی ایذا رسانی کے درپے رہتا تھا اسی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ تم ہی نے محمدؐ کے پاس ان کے ساتھیوں کو کھانا کپڑا دے کر جمع رکھا ہے ورنہ سب متفرق ہوجاتے تبوک رہیں اسی نے کہا تھا کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو جو لوگ عزت دار ہیں وہ بے عزتوں کو نکال باہر کردیں گے۔ غرض یہ پکا منافق تھا۔ بظاہر مسلمانوں کی مدد کے لئے اس نے کچھ مال دیا تھا اور گرفتارانِ بدر میں سے حضرت عباسؓ کو اس نے اپنی قمیص پہنائی تھی۔ جب اس کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ جو خاص مومن تھا منافق نہ تھا خدمتِ گرامی میں حاضر ہوا۔ باپ کے مرنے کی اطلاع دی اور باپ کے مغفرت کی دعا کا طالب ہوا۔ حضورؐ نے اپنا پیراہنِ مبارک عبداللہ کو عنایت فرمایا تاکہ وہ اپنے باپ کی میت کو پہنائے اور دعائے مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ آیۃ کا مورد اگرچہ خاص ہے مگر حکم عام ہے

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ منافق درحقیقت کافر ہیں اور جو لوگ ازلی کافر ہیں جن کا کافر ہونا قطعی ہے اُن کو خدا تعالےٰ منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا ہے۔ لہٰذا اے نبی تم ان کے لئے کتنی ہی دعائے مغفرت کرے اللہ ان کو نہیں بخشے گا کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں یعنی ان کی عدم مغفرت کی یہ وجہ نہیں کہ اللہ بخیل ہے یا تم میں کچھ قصور ہے بلکہ ان کا کفر خود عدم مغفرت کا موجب ہے۔

مقصودِ بیان منافق یا کافر کے لئے دعائے مغفرت نہ کرنی چاہیئے۔ یہ لوگ رحمتِ الٰہی سے محروم ہیں یہاں تک کہ دعائے نبیؐ بھی ان کے لئے مفید نہیں۔ جو لوگ رسولؐ اللہ کے منکر ہیں اگرچہ خدا کو مانتے ہیں وہ کافر ہیں۔ منافقوں پر اگرچہ بظاہر اسلامی احکام جاری ہوتے ہیں جزیہ وغیرہ نہیں لیا جاتا مگر درحقیقت خدا کے ہاں وہ کافر ہیں۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ کا لفظ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اللہ بخیل نہیں۔ نہ اللہ کو ذاتی کسی سے دشمنی ہے بلکہ انسان کی بداعمالی خود اس کو تباہ کرتی ہے۔ وغیرہ

تحقیقِ لفظی سَبْعِيْنَ کے معنی کلامِ عربی میں ستر کے ہیں لیکن عرفِ عام میں کثرتِ تعداد مراد ہوتی ہے اور یہاں بھی کثرت مراد ہے حصر عدد مقصود نہیں۔ چونکہ حضور اقدسؐ اپنی اُمت پر بہت زیادہ شفیق تھے۔ اس لئے باوجود اس جاننے کے کہ کثرتِ تعداد مراد ہے پھر بھی آپ نے ایسے الفاظ فرمائے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید مخصوص عدد مراد ہے۔ جب عبداللہ ابن ابی کے لئے دعائے مغفرت

toobaafoundation.com

کرنے کی ممانعت میں یہ حکم نازل ہوا کہ اگر تم ستر مرتبہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرو گے تو اللہ پھر بھی ان کو ہرگز نہ بخشے گا تو پھر حضورؐ نے فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔ یہ صرف محبت امت تھی۔ شیخ عکبری نے بتیان فی اعراب القرآن میں صراحت کی ہے کہ حضورِ اقدس کا مذکورہ بیان ایک خاص اسلوب کلام کو حاوی ہے۔ کیونکہ لفظ کو بظاہر ایسے معنی پر محمول کرنا جس کا احتمال تو ہو مگر یہ بات بھی معلوم ہو کہ یہ متحمل معنی یہاں مراد نہیں ہے ایک خاص بلاغت جس طرح قبعثری شاعر نے حجاج سے کہا تھا۔ میں تجھے ادہم گھوڑے پر سوار کروں گا ادہم مشکی گھوڑے کو اور بیڑیوں کو کہتے ہیں قبعثری واقف تھا کہ حجاج مجھے قید کی دھمکی دے رہا ہے اور ادہم سے مراد بیڑیاں ہیں۔ لیکن حجاج کے غصّہ کو فرو کرنے کے لئے اس نے اس کا روئے سخن بدل دیا اور یہ ظاہر کیا گیا کہ گویا میں آپ کی دھمکی کو نہیں سمجھا بلکہ آپ کے کلام کو بشارتِ انعام سمجھا ہوں۔ چنانچہ جواب میں کہنے لگا آپ جیسے سردار مشکی گھوڑے پر اور سرنگ گھوڑے پر دونوں پر سوار کر دیتے ہیں۔ گویا قبعثری نے ادہم کے معنی مشکی گھوڑے کے لئے باوجودیکہ واقف تھا کہ حجاج کی مراد بیڑیاں ہیں اسی طرح حضورِ اقدسؐ اگرچہ واقف تھے کہ لفظ سبعین سے خاص مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے لیکن پھر بھی حضورؐ نے شفقتِ امت کی بنا پر فرمایا میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں گا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ اپنے بیٹھ رہنے سے برخلاف رسول اللہ سے خوش ہوئے اور راہِ خدا میں اپنے

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا

جان و مال سے جہاد کرنا اُن کو بُرا لگا اور بولے کہ گرمی میں

فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ○ فَلْيَضْحَكُوْا

نہ کوچ کرو (اے نبی) تم کہہ دو کہ دوزخ کی آگ بہت زیادہ گرم ہے کاش اُن کو سمجھ ہوتی اب اُن کو

قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○

اپنے کرتوت کے عوض کم ہنسنا اور زیادہ رونا چاہیئے

تفسیر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو ہمراہ لے کر (فوج ہرقل کے مقابلہ کے ارادہ سے) مقام تبوک علاقہ شام کو تشریف لے گئے تو منافقوں کی ایک جماعت حیلہ بہانہ کر کے پیچھے رہ گئی حضورؐ کے ساتھ تبوک کو نہ گئی اور ایک دوسرے سے کہنے لگی گرمی سخت پڑ رہی ہے اس سخت گرمی میں کون جائے۔ چنانچہ رہ گئے اور جب حضورؐ تشریف لے گئے تو پیچھے ہنسنے اور مذاق کرنے لگے کہ دیکھو ہم نے کیسا دھوکا دیا بعض روایات میں آیا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے جھوٹ بول کر مدینہ میں رہ جانے کی حضورؐ سے اجازت لے لی تھی اور عذر یہ تراشا تھا کہ اگر آپ کے ساتھ ہم بھی چلے جائیں گے تو مدینہ خالی رہ جائے گا۔ شاہِ غسان اور بعض دیگر قبائلِ عرب کے حملہ کا اندیشہ ہے لہٰذا ہم کو یہیں چھوڑ جایئے۔ یہ حیلہ تراش گردہ صرف منافقوں کا تھا۔ انہی کے بارے میں آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں۔ تین خالص مومن بھی باقتضائے بشریت رہ گئے تھے مگر انھوں نے کوئی حیلہ تراشی نہیں کی بلکہ اپنا قصور ظاہر کیا۔ وہ لوگ یہاں مراد نہیں ہیں۔ ان کی مغفرت کی صراحت دوسری آیات میں موجود ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے منافقوں کی جو جماعت مدینہ میں رہ گئی تھی وہ اپنے حیلہ کی کامیابی اور چال چلنے پر خوش ہوئی۔ اس کو گوارا نہ ہوا کہ راہِ خدا میں مالی اور جانی قربانی کرے بلکہ گرمی کی شدّت کی وجہ سے انھوں نے باہم ایک دوسرے کو جہاد پر جانے سے

toobaafoundation.com

منع کیا۔ اور جب ان کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا تو ہنسی اُڑانے لگے۔ کھلکھلا کر ہنستے تھے اور شاداں و شادماں تھے۔ اے نبی! تم اُن سے کہہ دو کہ تم کو دھوپ گرمی کا خیال ہوا۔ حالانکہ دوزخ کی آگ کہیں زیادہ گرم ہے۔ کاش ان میں اتنی سمجھ ہوتی کہ تھوڑی دیر کی تکلیف کا اختیار کرتے اور ابدی نجات حاصل کرتے۔ مگر انھوں نے ابدی عذاب اختیار کیا اور تھوڑی دیر کی تکلیف برداشت نہ کی۔ اب ان کو بے انتہا ہمیشہ رونا پڑے گا اور یہ دوامی گریہ ان کی بداعمالی کی وجہ سے ہے۔ یعنی خدا ظالم نہیں۔ نہ اُس کو کسی سے عناد ہے بلکہ جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ مختلف احادیث میں آتا ہے کہ مومن ہمیشہ ابتلاء میں رہتا ہے۔ لیکن شکر اور صبر کرتا ہے اور گناہوں کا کفارہ دے کر پاک صاف مرتا ہے اور اپنے پروردگار کے سامنے جاتا ہے اور منافق کھجور کے درخت کی طرح کسی آندھی سے جھونک نہیں کھاتا یہاں تک کہ ایک بار جڑ سے گرجاتا ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کے نفاق اور مکاری کا اظہار، اس امر کی صراحت کہ اہلِ نفاق راہِ خدا میں قربانی کرنے کو پسند نہیں کرتے نہ مال خرچ کرنا چاہتے ہیں، نہ جان کو دُکھ دیتے ہیں بلکہ موسمی گرمی بھی رضائے مولیٰ کے لئے برداشت نہیں کرتے، نہ مسلمانوں کی امداد کا ان کو خیال ہوتا ہے۔ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے کا کچھ لحاظ بلکہ نفس کے بندے ہیں۔ احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں خواہشِ نفس ان کو زیادہ محبوب ہے۔ خود بھی احکامِ خداوندی کی پیروی نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ گویا مسلمانوں کو ضمنی تنبیہ ہے کہ راہِ خدا میں مالی اور جانی قربانی کرو۔ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مصائب برداشت کرو۔ گرمی سردی کا خیال نہ کرو۔ مسلمانوں کا ساتھ دو۔ رسول اللہ کی مدد کرو، احکامِ الٰہی کے مقابلہ میں نفسانی خواہشات کو ترک کرو۔ دنیا تمہارے لئے دارالبکاء ہے اگر مصائب میں گرفتار ہو کر کچھ دنوں یہاں رو لوگے تو کچھ حرج نہیں آخرت میں ہمیشہ ہنستے رہوگے۔ منافقوں کی طرح نہ بن جاؤ جو چند روزہ مسرت و شادمانی پر پھولے ہوئے ہیں اور مرنے کے بعد ہمیشہ ان کو روتا رہنا پڑے گا۔ وغیرہ

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ

اگر ان کے کسی گروہ کی طرف | تم کو خدا | واپس لے جائے | اور وہ تم سے جہاد پر جانے کی | اجازت مانگیں | تو اُن سے | کہہ دینا

لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِیْتُمْ

تم میرے ساتھ | کبھی نہ | چلوگے | اور نہ میرے ساتھ ہو کر | دشمن سے | لڑوگے | تم کو | پہلی مرتبہ | ہی

بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ○

بیٹھ رہنا | پسند آیا تھا | لہٰذا اب | پیچھے | رہ جانے | والوں کے ساتھ | بیٹھ | رہو

تفسیر یہ بھی آیاتِ سابقہ کا تکملہ ہے اوپر کی آیات میں ان منافقوں کو جو جہادِ تبوک پر رسول اللہ کے ہمرکاب نہیں گئے تھے عذاب کی دھمکی تھی۔ ان آیات میں بطور تنبیہ آئندہ شرکتِ جہاد کی ممانعت ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ نبی جب تم تبوک سے واپس مدینہ کو جاؤ اور پھر کوئی دوسرا سفرِ جہاد پیش آئے تو جو منافق تمہارے پاس تبوک کو نہیں گئے تھے ان کی جماعت کو پھر کبھی ساتھ نہ لے جانا (یہ مطلب قتادہ نے بیان کیا ہے اور ایسے منافقوں کی تعداد بارہ کس ظاہر کی ہے) اگر وہ تم سے ہمرکاب چلنے کی اجازت مانگیں تو اُن سے کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ کبھی نہ چلوگے اور چل کر کبھی کسی دشمن سے نہ لڑوگے۔ یعنی میں تم کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا۔ اول تو تم منہ سے کہہ رہے ہو دل میں نفاق ہے۔ تم دل سے ساتھ چلنے پر راضی ہی نہیں ہو اور اگر بالفرض چلے بھی جاؤ تو تمہارا وہاں جانا بیکار ہے۔ تم وہاں پہنچ کر دشمنانِ اسلام سے مقابلہ نہیں کروگے۔ لہٰذا جہاں اور لوگ پیچھے رہ جائیں گے تم بھی

toobaafoundation.com

یہیں رہو یعنی جس طرح ضعیف اور بوڑھے، بیمار اور بچے اور عورتیں سب مدینہ میں رہ جائیں گے تم بھی اُنہی کے ساتھ رہو، کیونکہ تم نے پہلے بھی ہمارے ساتھ چلنا پسند نہیں کیا تھا۔ ابن عباسؓ کے نزدیک خالفین سے مراد وہ لوگ جو غازیوں سے بچھڑ رہے۔ ابن جریر نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

بعض مفسرین نے خالف کے معنی فاسد کے لئے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں۔ بیضاوی کے نزدیک عورتیں بچے اور کمزور مرد جن میں جہاد کی طاقت نہ ہو سب ہی داخل ہیں۔ اسی مطلب کو ہم نے پسند کیا ہے۔

مقصودِ بیان منافقوں کے مخصوص طبقہ کو یعنی ان لوگوں کو جو نفاق پر جمے ہوئے تھے اور آئندہ اُن سے ترکِ نفاق کی امید نہ تھی آئندہ شرکتِ جہاد کی ممانعت کی گئی ہے۔

امام رازی کہتے ہیں کہ آیت میں اس امر پر دلالت ہے کہ اگر کوئی مکر و فریب اور نفاق میں مضبوط اور سخت ہو اور اسباب و غایہ پر مصر ہو تو ایسے آدمی سے ترکِ تعلق ضروری ہے اور اس کی مصاحبت سے احتراز لازم ہے۔ وغیرہ

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ

اُن میں سے اگر　کوئی مرجائے تو　تم اس کی نماز　کبھی نہ پڑھو　اور نہ اُس کی قبر پر　کھڑے　ہو　کیونکہ ان

كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ

لوگوں نے　اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا　اور فاسق ہی　مرگئے　اور تم کو　اُن کے　مال و اولاد

وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ

پر تعجب نہ ہونا چاہئیے　ان کے ذریعہ　سے اللہ ان　کو دنیا میں　سزا دینا　اور کفر کی　حالت میں

اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

اُن کی　جان نکالنا　چاہتا　ہے

تفسیر یہ آیت بھی عبداللہ بن ابی کے حق میں نازل ہوئی۔ راویانِ حدیث کا اختلاف ہے کہ عبداللہ کے جنازہ کی نماز رسول پاکؐ نے پڑھی تھی یا نہیں؟ ابن جریر نے حضرت انسؓ کی روایت پیش کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیل نے حضورؐ کو منع کر دیا تھا اور حضورؐ نے اس کی نماز نہیں پڑھی۔ لیکن بقول ابن کثیر اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ایجاب کا قول کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب عبداللہ ابن ابی مرگیا تو اس کے جنازہ کی نماز کے لئے حضورؐ کو بلایا گیا۔ جب حضورؐ تشریف لے گئے اور نماز کو کھڑے ہوئے تو میں نے سامنے جا کر کھڑے ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ اس دشمنِ خدا ابن ابی کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں جس نے فلاں روز یہ بات کہی تھی اور فلاں روز یہ بات۔ میں اس کے منافقانہ افعال شمار کر رہا تھا اور حضورؐ تبسم فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ جب میں نے بہت کہا تو فرمایا عمر! مجھے (اللہ کی طرف سے نماز پڑھنے کا نہ پڑھنے کا) اختیار دیا گیا ہے۔ پس میں نے (نماز پڑھنے کی) اختیار کر لیا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں گا تو اس کی بخشش کر دی جائے گی تو ضرور ایسا کرتا۔ پھر حضورؐ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھائی، جنازہ کے ساتھ تشریف لے گئے، قبر پر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ دفن سے فراغت ہوئی۔ پھر اللہ کی قسم کچھ ہی دیر میں یہ دونوں آیات

toobaafoundation.com

نازل ہوئیں۔ اس کے بعد وفات تک حضورؐ والا کسی منافق کی قبر پر کھڑے نہیں ہوئے (رواہ احمد والترمذی وقال حسن صحیح وقد جاء فی الصحیحین بالفاظ متقاربۃ مفرقۃ مجملۃ وتؤول الروایات علی معنی واحد) صحاح و مسانید کی روایات سے ثابت ہے کہ ابن ابی کے مرض الموت میں حضورؐ کو بلوایا آپ تشریف لے گئے اور فرمایا تجھے یہودیوں کی محبت نے ہلاک کیا۔ ابن ابی بولا میں نے آپ کو نماز وغیرہ کے لئے بلوایا ہے۔ ملامت کرنے کے لئے نہیں بلوایا گویا مرتے دم تک کم بخت منافق تھا۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ ابن ابی کو جب قبر میں اُتارا جا چکا تھا تو اس وقت حضورؐ پہنچے تھے اور قبر سے نکلوا کر نماز پڑھی اور پیراہن مبارک پہنوایا تھا۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ چونکہ اہلِ نفاق بے ایمان ہیں اور مرتے دم تک بے ایمان رہے۔ یعنی توبہ نہیں کی تھی۔ لہٰذا اے نبی تم کبھی آئندہ ان کی نماز نہ پڑھنا اور نہ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑے ہونا۔ اس کے بعد والی آیت کا مطلب واضح ہے اور اوپر اسی سورۃ میں گزر چکا ہے۔

حافظ کی تفسیر میں ہے کہ اگر کسی شخص کی حالت معلوم نہ ہوتی اور اس کا مخلص مومن یا منافق ہونے کی واقفیت نہ ہوتی اس کی نماز حضرت عمرؓ نہ پڑھتے تھے تا وقتیکہ حضرت حذیفہؓ تعین کے ساتھ منافقوں کو نہ جانتے تھے۔ حضور صلعم نے آگاہ فرما دیا تھا۔

مقصودِ بیان کافروں اور منافقوں کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی جائے بشرطیکہ یہ بات تحقیق کے ساتھ واقعی طور پر معلوم ہو کہ یہ شخص دل میں مومن نہ تھا اور مرتے دم تک بے ایمان رہا۔ کوئی دعا و استغفار کافروں اور منافقوں کے حق میں کارآمد نہیں۔ منافق کے جنازہ کی نماز ضرور پڑھی جائے اور اس کے لئے دعائے مغفرت کی جائے یہ بات اس کے لئے موجبِ کرامت ہے۔ کثرتِ مال اور اولاد کفار و منافقین کے حق میں دنیا و دین کے وبال کا باعث ہے مرتے وقت بھی چین سے ان کی جان نہیں نکلتی بلکہ مال و اولاد میں پھنسی رہتی ہے۔

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُوا۟ مَعَ رَسُولِهِ ٱسْتَـْٔذَنَكَ

اور جب کوئی سورۃ اس حکم کی اُترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو اُن میں سے

أُو۟لُوا۟ ٱلطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا۟ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَٰعِدِينَ ۝ رَضُوا۟ بِأَن

مقدور والے تم سے رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو چھوڑ جائیے تاکہ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہم رہ جائیں اُن کو پسند آیا کہ

يَكُونُوا۟ مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ۝

خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر کردی گئی اس لئے وہ نہیں سمجھتے

تفسیر ان آیات میں بھی منافقوں کی حیلہ تراشی، بے ایمانی، احکامِ الٰہی سے سرتابی اور دماغی حماقت کو بیان کیا ہے۔ اوپر کی آیات سے مترشح ہوتا تھا کہ منافقوں کا اصل مقصود دنیوی لذائذ، مال کی کثرت، اولاد کی بہتات اور عیش و آسائش ہے۔ اسی مضمون کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ جب قرآن کا کوئی ٹکڑا مالی و جانی جہاد کا حکم لے کر نازل ہوا تو اچھے تندرست مالدار اور صاحبِ استطاعت منافق اجازت لینے آئے کہ ہم کو ان لوگوں کے ساتھ رہنے دیجئے جو کمزور نحیف یا بیمار یا زیادہ بوڑھے یا کم عمر بچے ہیں۔ گویا انہوں نے ان لوگوں کے ساتھ رہنا پسند کیا جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک ہونے سے معذور ہیں۔ بات یہ ہے کہ ایمان سے ان کے دل خالی ہیں۔ اُن کے دلوں پر زنگ بلکہ پردہ بلکہ مہر الٰہی لگ چکی ہے۔ دانشمندی اور دینی سمجھ اور مآل کار کو سمجھنا اُن سے بہت دور ہے۔ حاصل کلام یہ نکلا کہ سزا جزا اور عذاب و ثواب کا

toobaafoundation.com

یقین ہی نہیں رکھتے۔ ان کا اللہ اور رسول پر ایمان ہی نہیں۔ پھر کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب جا کر جہاد کر سکتے ہیں۔

لفظی تحقیق

سورۃ سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک یہی سورۃ براءۃ ہے۔ بعض کے نزدیک مطلق سورۃ مراد ہے۔ بعض کے نزدیک قرآن کا کوئی حصّہ خواہ پوری سورۃ ہو یا چند آیات ہوں بشرطیکہ ان کے اندر حکمِ جہاد ہو مراد ہے۔ یہی اولیٰ ہے۔

طَوْل کے معنی دسترس، قوت، فراخی، استطاعت وغیرہ ہیں۔ اُولُوا الطَّوْلِ سے وہ لوگ مراد ہیں جو تندرست بھی ہیں مالدار بھی اور صاحبِ استطاعت بھی۔

قَاعِدِیْن سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی شرعی عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے۔ مثلاً زیادہ نحیف دکمزور ہوں یا بہت پیر فرتوت یا دیرینہ بیمار یا اپاہج، لنگڑے لولے یا بچے عورتیں۔ خَوَالِف سے بھی یہی مراد ہے۔

مَعَ رَسُوْلِہٖ کہنے سے یہ مراد ہے کہ صرف انہی کو جہاد پر نہیں بھیجا جاتا ہے بلکہ رسول کے ہمرکاب جانے کا حکم ہوتا ہے اس لئے ان کو زیادہ اندیشہ کا موقع بھی نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی مصیبت آئے گی تو رسول پر بھی آئے گی۔

لَا یَفْقَھُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ ان میں دینی سمجھ نہیں۔ یہ اچھا بُرا نہیں جانتے۔ ان کو عذاب ثواب اور مآلِ کار کا اخروی یقین نہیں۔

مقصودِ بیان

حکمِ الٰہی خصوصاً حکمِ جہاد سے گریز کرنے کے لئے حیلہ تراشی کرنا نفاق کی علامت ہے۔ جب انسان خود احکامِ الٰہی سے سرتابی کرتا رہتا ہے تو اس کے دل پر زنگ آجاتا ہے اور زنگ کے بعد پردہ پڑ جاتا ہے اور کچھ مدّت پردہ پڑا رہنے کے بعد اللہ کی طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔ اب خیر و شر کا امتیاز، حقانیت کا ادراک، حق و باطل کا امتیاز بالکل ناممکن اور معدوم ہو جاتا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ

لیکن رسول نے اور ان کی معیّت میں مسلمانوں نے اپنے جان و مال سے جہاد کیا

وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۡ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ

انہی کے لئے ساری خوبیاں ہیں اور یہی کامیاب ہیں اللہ نے ان کے

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۱۷/۹

لئے گھنے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے اندر نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

تفسیر

حسنِ طینت، صدقِ نیت اور اپنے مولا کی رضا جوئی کے لئے جان و مال قربان کرنا ہی بندگی کی علامت ہے۔ حکمِ الٰہی میں چون و چرا اور حیلہ بہانہ کرنا خلافِ بندگی ہے۔ اوپر کی آیات میں سرتابی کرنے والوں اور حیلہ سازی کر کے حکمِ الٰہی سے منہ موڑنے والوں کا بیان اور ان کے انجام کا تذکرہ تھا۔ اب یہاں اپنے مخلص فرمانبردار تابع حکم بندوں کا مدح کے پیرائے میں تذکرہ اور ان کے نیک انجام کا ذکر فرماتا ہے۔ رسول کے ساتھ ان لوگوں کا بھی تذکرہ فرما دیا اور اس میں نیک طبقہ کو بھی شامل کر لیا جنہوں نے تمام احکامِ خداوندی کی تصدیق کی۔ یہاں تک کہ کسی قسم کی مالی اور جانی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ جہاد کی دونوں قسموں میں حصّہ لیا۔ ایسے لوگوں کے لئے صراحت فرما دی کہ دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اور خوبیاں انہی لوگوں کو ملیں گی اور کامیاب بھی یہی لوگ ہوں گے۔ خصوصاً آخرت میں جنتِ الٰہی ان کو نصیب ہوگی جو فی الحقیقت سب سے بڑی کامیابی ہے۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان

جہاد دو قسم کا ہوتا ہے ۔ مال سے مدد کرنا اور راہِ خدا میں جان سے کوشش کرنا مومن کے واسطے لازم ہے کہ حکمِ الٰہی کو اپنے تمام مال بلکہ جان پر بھی مقدم سمجھے خواہ کتنا ہی جانی و مالی نقصان پہنچتا ہو مگر اللہ کی معصیت نہ کرے ۔ کامل مومنوں کو اللہ نے دین و دنیا کی خوبیاں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اور راہِ خدا میں بے دریغ قربانی کرتا ہے اللہ علاوہ اجرِ آخرت کے دنیا میں بھی اس کو سرخرو باعزت اور بلند رتبہ فرما دیتا ہے اور جو حکمِ الٰہی سے سرکشی کرتا ہے وہ اگرچہ بالفعل کامیاب نظر آئے مگر دنیا میں بھی اس کو ذلت اور رسوائی نصیب ہوتی ہے ۔ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ مومنین کے علاوہ کوئی کامیاب بامراد نہ ہوگا یعنی اس کو حقیقی بہبودی حاصل نہ ہوگی ۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ

اور	بہانہ ساز	دیہاتی آئے	تاکہ اُن کو	اجازت مل جائے	اور اللہ و رسول سے جھوٹ

كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

بولنے والے	بیٹھ رہے	ان میں سے	جو لوگ کافر ہوگئے	اُن کو عنقریب دردناک عذاب پہنچے گا

تفسیر

ابن عباسؓ کے نزدیک مُعَذِّرُوْنَ سے وہ لوگ مراد ہیں جو سچے عذر والے تھے ۔ اپنا عذر پیش کرنے اور اجازت لینے کے لئے رسولِ پاکؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور اللہ اور اس کے رسولؐ سے منہ نہیں چھپایا اور نہ لاپرواہی کے ساتھ بیٹھ رہے ۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کچھ دیہاتی جو واقعی معذور تھے تبوک کے جہاد میں شرکت نہ کر سکتے تھے ۔ رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہم کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دی جائے لیکن جو لوگ منافق تھے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں رکھتے تھے وہ کسی قسم کا عذر پیش کرنے بھی نہ آئے ۔ ان کو حکمِ رسولؐ کی کوئی پرواہ نہ تھی ۔ نہ حکمِ جہاد اُن کے نزدیک کچھ وقعت رکھتا تھا اس لئے گھروں میں بغیر حصولِ اجازت اور بغیر حاضری واطلاع کے بیٹھ رہے ۔ ایسے کافروں کو سخت عذاب ہوگا ۔

مجاہد، قتادہ، حسن بصریؒ اور محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ قبیلۂ غفار کے کچھ آدمیوں نے آکر جہاد میں شریک نہ ہونے کی معذرت کی مگر اللہ نے ان کی معذرت کو صحیح نہیں قرار دیا ۔ مُعَذِّرُوْنَ سے یہی لوگ (مثلاً خفاف بن ایماء غفاری وغیرہ) مراد ہیں ۔

بعض اہلِ تفسیر نے سببِ نزول بنی غطفان اور بنی اسد کے چند آدمیوں کو قرار دیا جنہوں نے آکر منافقانہ عذر پیش کیا تھا کہ ہمارے اہل وعیال بہت زیادہ محتاج ہیں ۔ حالانکہ ان کی یہ معذرت صحیح نہ تھی ۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ عامر بن طفیل نے آکر کہا تھا کہ اگر ہم آپ کے ساتھ جہاد پر جائیں گے تو قبیلۂ طے کے دیہاتی آکر ہمارے گھر بار اور اہل وعیال کو لوٹ لیں گے ۔ بہرحال ان تمام اسبابِ نزول کی بنا پر مُعَذِّرُوْنَ سے جھوٹے عذر پیش کرنے والے مراد ہوں گے اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جو لوگ منافق تھے اور جہاد میں شرکت نہ کرنا چاہتے تھے ان میں سے کچھ لوگوں نے تو عدمِ شرکت کی منافقانہ معذرت پیش کی اور بعض نے انتہائی لاپرواہی سے اس کی بھی کچھ ضرورت نہ سمجھی اور یونہی بیٹھ رہے ۔

اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ مُعَذِّرُوْنَ کا لفظ عام ہے خواہ سچا عذر پیش کرنے والے ہوں یا جھوٹا سب کو شامل ہے لہٰذا تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں بیضاوی نے اسی قول کو پسند کیا ہے ۔

مقصودِ بیان

آدمی کا نفس جس بات کو عذر سمجھے وہ عذر نہیں سمجھا جائے گا جب تک کہ شرع اس کو معذور نہ سمجھے ۔ اگر عذر صحیح بھی ہو اور عام طور پر مسلمانوں کو جہاد پر جانا ہو تب بھی امام سے اجازت لے لینا چاہیئے ۔ بغیر اجازتِ امام کے جہاد میں رہ جائے گا تو گنہگار ہوگا ۔

toobaafoundation.com

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا

البتہ کمزوروں اور بیماروں پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اُن پر کوئی گناہ ہے جن کو خرچ کرنے کو

يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ

میسّر نہیں بشرطیکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کی خیر خواہی کریں نیکو کاروں پر کوئی الزام نہیں

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ

اور اللہ غفور رحیم ہے اور نہ ان لوگوں پر الزام ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس لئے آئے کہ تم

قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ

اُن کو سواری دیدو تو تم نے کہا تمہارے سوار کرنے کو میرے پاس کوئی سواری نہیں یہ سُن کر وہ واپس چلے گئے مگر اس غم میں اُن کی آنکھوں سے

الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى

آنسو جاری تھے کہ (راہِ خدا میں) خرچ کرنے کے لئے اُن کے پاس کچھ نہیں ہے الزام تو ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے

الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

ہوئے تم سے رخصت مانگتے ہیں اور خانہ نشین عورتوں کے ساتھ بیٹھ رہنے

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

کو پسند کرتے ہیں اور اُن کے دلوں پر اللہ نے مُہر لگادی ہے اس لئے اُن کو واقفیت نہیں

تفسیر ابن ابی حاتم نے بروایت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کیا۔ حضرت کہتے ہیں میں کاتب وحی تھا۔ چنانچہ سورۂ براۃ بھی لکھی تھی۔ میرے کان پر قلم رکھا تھا کہ جہاد کا حکم دیا گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے منتظر تھے اتنے میں عبداللہ بن ام مکتوم جو نابینا تھے حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ میں کیا کروں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ الخ

ابن عباسؓ فرماتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حکم دے دیا کہ سب لوگ میرے ساتھ تبوک کے جہاد پر چلیں۔ صحابہ کی ایک جماعت جن میں عبداللہ بن مغفل مزنی بھی تھے آئی۔ مجاہد کا قول ہے سات انصاری آئے۔ محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے۔ سات انصاری یہ تھے:-

۱ سالم بن عمیر یا بن عوف: ۲ علیہ بن زید، ۳ عبدالرحمن بن کعب، ۴ عمرو بن الحام، ۵ عبداللہ بن مغفل مزنی، ۶ حرمی بن عبداللہ، ۷ عیاض بن ساریہ

بہرحال سات انصاریوں نے حاضر ہو کر درخواست کی ہم کو کسی طرح سواری عطا فرما دیجئے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا واللہ میرے پاس کوئی سواری نہیں جس پر تم کو سوار کر سکوں۔ یہ جواب سن کر مذکورہ حضرات بہت غمگین اور پژمردہ خاطر ہوئے ان کو سخت شاق گزرا کہ جہاد میں شرکت

toobaafoundation.com

نہ کر سکیں اور زاد راہ ان کے پاس موجود نہ تھا کہ خود انتظام کر لیتے۔ مجبوراً روتے ہوئے لوٹے پس اللہ نے ان کی شدتِ رغبت دیکھ کر ان کو معذور رکھا اور ان کے عذر کو قبول فرمایا اور محسنین میں داخل کر لیا۔

صحیحین میں مرفوعاً روایت ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ لوگو تم مدینہ میں کچھ ایسے لوگوں کو چھوڑ کر آئے ہو جو ہر وادی طے کرنے اور ہر راستہ میں چلنے کے وقت تمہارے ساتھ رہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور ہیں وہ مدینہ میں؟ فرمایا ہاں (انہیں ساتھ آنے سے) اُن کو عذر مانع تھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ لوگ اجر میں تمہارے ساتھ شریک ہیں۔

ایک صحیح حدیث میں آتا ہے جو تم میں ضعفاء ہیں انہی کی برکت سے تم کو رزق ملتا ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے جو صدق دل سے جہاد کا قصد رکھے وہ ثواب پائے گا۔ اگرچہ اپنے بستر پر مرے۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ چار قسم کے آدمی شرکت جہاد سے شرعاً معذور ہیں اور ان کا عذر مقبول ہے۔ (۱) ضعفاء یعنی وہ کمزور بوڑھے جو جہاد کو جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اہلِ تفسیر کے نزدیک انہی میں بچے اور عورتیں بھی داخل ہیں (۲) بیمار خواہ اس کی بیماری اتفاقی ہو جیسے بخار وغیرہ کا مریض (۳) جن کے پاس زادِ راہ نہ ہو یعنی اگرچہ تندرست طاقتور ہوں لیکن جہاد پر جانے کے لئے زادِ راہ اور ضروری سامان نہ ہو (۴) وہ لوگ جن کے پاس سواری نہ ہو اور رسول اللہ بھی ان کو سواری نہ دے سکیں اور وہ شکستہ خاطر ہو کر روتے ہوئے گھروں کو لوٹ جائیں۔ یہ چاروں اقسام جہاد میں شریک نہ ہونے کے مجاز ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ نیتِ صادق اور خلوص رکھتے ہوں۔ اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہوں۔ یہ سب لوگ محسنین میں داخل ہیں۔ ان کو بھی مجاہدین کا اجر ملے گا۔ رہے وہ لوگ جو صحیح کسے اور مالدار ہیں پھر بھی جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہتے ہیں اور معذور طبقہ کے ساتھ مدینہ میں رہنا چاہتے ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر الٰہی ثبت ہے۔ ان کی حالت ناقابلِ اصلاح ہے۔

مقصودِ بیان صدقِ نیت اور خلوص ہر مومن کے لئے لازم ہے اگرچہ کام کی استطاعت حاصل نہ ہو۔ اللہ اور رسولؐ کی بقدر امکان خیر خواہی ہر مسلمان کا فرض ہے۔ بغیر خیر خواہی کے کوئی عمل مقبول نہیں اور خیر خواہ معذور بھی فرمانبردار عامل کے حکم میں ہے۔ نیکوکاری فقط عمل ہی سے نہیں ہوتی بلکہ وہ صادق النیت جو عمل کرنے سے شرعاً معذور ہے نیکوکار ہے۔

ہمارے یہاں

ہر قسم کی درسی غیر درسی۔ عربی۔ فارسی۔ اردو اور قرآن مجید حمائلیں۔ قاعدے۔ پارے عمدہ اور بکفایت ملنے کا پتہ۔

آستانہ بکڈپو، پوسٹ بکس ۱۲۰۶ء سوئیوالان ۵۶۵ء نئی دہلی ۲

toobaafoundation.com